ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۳۴
جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۱۰
ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ
اکتوبر ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک
- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ
دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-حج کے فوائد اور مناسک کا بیان	شیخ محمد بن عبداللہ السبیل	۶
۵-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ.....	مولانا اسعد اعظمی	۸
۶-مولانا کھنڈیلوی اور وجہ ترجیح..	مولانا محمد مستقیم سلفی	۱۳
۷-نیت	عبدالسمیع محمد ہارون انصاری	۲۱
۸-فضائل عشرۂ ذی الحجہ واحکام قربانی	مولانا محمد اسلم مدنی مبارکپوری	۲۴
۹-اخلاق وکردار: اہمیت وفوائد	سعید الرحمٰن عبدالمجید	۲۸
۱۱-جدید عربی ادب اور طلبۂ مدارس	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۰
۱۲-سرسید احمد خاں ایک عہد ساز شخصیت	حافظ عبدالماجد	۳۷
۱۳-جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقد تربیتی پروگرام	ادارہ	۴۰
۱۴-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۵-جامعہ سلفیہ میں ایک عظیم الشان اجلاس عام	ادارہ	۴۵
۱۶-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

مسلمانو! مکمل مسلمان بنو اور غلط رسم ورواج کو چھوڑو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُواْ أَنَّ اللّهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ (سورہ بقرہ:۲۰۸-۲۰۹)

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی تابعداری نہ کرو، بیشک وہ تمہارے لیے کھلا ہوا دشمن ہے، پس اگر تم باوجود تمہارے پاس واضح دلائل آجانے کے بھی پھسل جاؤ تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

مدینہ منورہ میں کچھ لوگ جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے اور اسلام لائے تو کچھ پہلے کی چیزوں کو باقی رکھنا چاہا، اور یہ دلیل پیش کی کہ یہ بھی آسمانی کتابوں میں ہے، جو اللہ کی کتاب ہے تو کیا حرج ہے، اللہ نے فرمایا: نہیں، اگر مومن ہو تو مکمل تابعداری ضروری ہے، جو اسلام محمد ﷺ پر اتارا گیا ہے، اگر تمہارا عمل اور رسم ورواج اس میں نہیں ہے تو اس کو چھوڑنا ہوگا تبھی تم مکمل مسلمان بنو گے۔

ہر وہ کام جو عبادت سمجھ کر کیا جائے اگر وہ احادیث اور سیرت النبی میں نہ ہو اور جن پر صحابہ کرام کا عمل نہ ہو، شیطانی راہیں ہیں جن سے روکا گیا ہے، شیطان مختلف طریقوں سے انسان کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے، ایک نہیں تو دوسرا پھر تیسرا، اللہ تعالی نے خطوات الشیاطین سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے، اسلام کی دولت پا جانے کے بعد، واضح ہدایات اور دلیلیں مل جانے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو یاد رکھو اللہ غالب اور حکمت والا ہے، اگر اس کے احکام کی تابعداری سے گریز کیا تو وہ سزا دے سکتا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ نے مسلمانوں کو مختلف راہوں پر جانے اور گمراہی میں پڑ جانے کی پیشین گوئی فرمائی ہے، آپ نے یہود ونصاری، اہل کتاب کی گمراہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ بہتر طریقوں پر تقسیم ہوئے ہیں تو تم ان سے زیادہ تہتر فرقوں میں بٹ جاؤ گے، ایک ہی فرقہ جنت میں جائے گا باقی سب جہنم میں۔ شیطان نے مختلف ہتھ کنڈے اپنا کر مسلمانوں کو بہت سی رسم ورواج کا پابند بنا دیا ہے، جو ان کے ایمان وعمل کو برباد کرنے والے ہیں، چاہے شادی بیاہ ہو، مرنی ہو، گھر میں کوئی فنکشن ہو، رشتہ داری اور بندھن ہو، مسلمانوں میں کئی طرح سے غیر اسلامی رسم ورواج سرایت کر چکے ہیں اور وہ ان کے انجام سے بے خبر ہیں، سال کے مختلف مہینوں میں الگ الگ فنکشن ہوتے ہیں، عبادت اور نیکی کے نام پر غیر اسلامی کام ہوتے ہیں، جو سیرت النبی اور صحابہ کرام کے زمانہ میں نہیں پائے جاتے تھے، شب برات، بارہ وفات اور رجب ومحرم کے مہینوں میں ہونے والے بہت سے کام دوسری قوموں سے ہم میں آگئے ہیں، مزارات کی تعمیر اور قبروں کو پختہ بنانا اور ان کے جواز کے لیے غیر شرعی دلائل پیش کرنا، سب خطوات الشیاطین ہیں جن سے اللہ نے روکا ہے اور حکم دیا ہے کہ محمد ﷺ جو حکم دیں اس کو تسلیم کرو اور اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اگر مسلمان ہونے کے بعد بھی، ہدایت ودلائل مل جانے کے بعد بھی تم اسی طرح بھٹکتے رہے تو یاد رکھنا اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ☆☆

درس حدیث

دوران حج برائیوں سے اجتناب

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: " مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ ". (صحیح بخاری:۱۸۱۹، صحیح مسلم:۱۳۵۰)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے حج کیا اور (دوران حج) اس نے نہ تو شہوانی باتیں کی اور نہ فسق وفجور کا کام کیا وہ (اپنے گناہوں سے پاک ہوکر) اس دن کی طرح لوٹا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔

حج اسلام کا ایک عظیم الشان رکن ہے، یہ فریضہ ان مرد وزن پر عائد ہے جو سفر بیت اللہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور اس فریضہ کی ادائیگی کے دوران چند مباح امور اور جملہ محرمات سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿الحج أشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج وما تفعلوا من خير يعلمه الله وتزودوا فإن خير الزاد التقوى واتقون يا أولي الألباب﴾ (سورہ بقرہ:۱۹۷)

حج کے مہینے مقرر ہیں تو جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے بچتا رہے اور تم جو نیکی کروگے اللہ اس سے باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے اور اے عقلمندو مجھ سے ڈرتے رہا کرو۔

فریضۂ حج ادا کرنے والے شخص کے لیے فسوق وجدال سے بچنے کی تاکید کے بعد تقوی کا توشہ اختیار کرنے کا حکم دینا اور اہل دانش کو مخاطب کرکے رب العالمین کا یہ فرمانا کہ میرا ہی تقوی اختیا کرو، اس انداز بیان سے دوران حج ان چیزوں سے بچنے کی تاکید درتاکید کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں ان سعادت مند نفوس کے اجر وثواب کو بیان فرمایا ہے جو اپنے حج کو شہوت کی باتوں اور شہوت کے کاموں سے نیز گناہ کی باتوں اور گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے سابق گناہوں سے اس طرح پاک وصاف ہوکر لوٹتے ہیں کہ گویا وہ اپنے پیدائش کے دن کی طرح معصوم ہوگئے۔

ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اجر وثواب کہ ایک گناہ گار معصوم بن جائے کسی معمولی اور آسان کام کا نہیں ہوسکتا، "إن عظم الجزاء مع عظم البلاء"، جائز شہوت پوری کرنا تو درکنار بلکہ ہر وہ بات اور ہر وہ کام جو جائز شہوت کو بھڑکانے والا ہو، اس سے بھی پرہیز کرنا بسا اوقات اس کے اسباب ودواعی کے پائے جانے کے باوجود، کس قدر نفس پر قابو اور کنٹرول رکھنے کا متقاضی ہے۔

اسی طرح اعضاء وجوارح، دل، زبان، آنکھیں، کان اور ہاتھ سر کو گناہوں کے کاموں سے روکے رکھنا گھنٹہ دو گھنٹہ نہیں بلکہ پورے اعمال حج کی ادائیگی کے دوران، کیا یہ بہت آسان کام ہے؟ ہاں جس کے دل میں اللہ کا تقوی ہو، اس سرزمین کا تقدس، حالت احرام کا تقدس، اور اعمال وشعائر حج کے تقدس کا پاس ولحاظ ہو اور رب کریم کی قربت اور اس کی عظمت وجلال کو اس مقدس سرزمین پر اس پاکیزہ حالت میں محسوس کرے تو اس کے لیے بتوفیق اللہ ان ممنوعات سے بچنا آسان ہوجائے گا اور وہ حج مبرور کی سعادت لے کر اپنے وطن عزیز کو لوٹے گا، جس کا بدلہ اللہ کے رسول ﷺ نے جنت قرار دیا ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

حج بیت اللہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے بڑا اہتم بالشان رکن ہے، یہ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے، نفلی حج بہت سا کیا جاسکتا ہے، دیگر ارکان کی طرح حج کے بھی بہت سے امتیازی خصائص ہیں، حج کرنے والوں پر لازماً ان کے اثرات پڑتے ہیں اور مسلم اور انسانی سماج بھی ان سے متاثر ہوتے ہیں، بشرطے کہ حج اخلاص کے ساتھ ادا کیا جائے،

(۱) ایک حدیث صحیح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ''من حج فلم يرفث ولم يفسق، رجع كيوم ولدته امه'' (متفق علیہ) جس نے حج کیا اور کوئی جنسی بات اور اللہ کی نافرمانی کی بات نہ کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہوکر لوٹتا ہے جیسے آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے،

ایک حدیث صحیح میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''والحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة'' ایسا حج جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا بدلہ بس جنت ہی ہے،

ایک اور حدیث صحیح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''ما من يوم أكثر من أن يعتق الله فيه عبدا من النار، من يوم عرفة'' (مسلم) کوئی بھی دن ایسا نہیں جس میں اللہ تعالی عرفہ کے دن سے زیادہ بندوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہو۔

یہ حدیثیں بتاتی ہیں کہ اخلاص کے ساتھ گناہوں سے بچ کر حج کرنے والا شخص خواہ روئے زمین کے کسی ملک کے کسی بھی معاشرہ کا فرد ہو حج سے لوٹنے کے بعد ان کے لئے ایک بڑی نعمت ہے، جس کی پاکیزہ سیرت دیکھ کر لوگ اپنی زندگی کے خدوخال سنوار سکتے ہیں، اور اس معاشرہ کے افراد میں ایک بڑی تبدیلی رونما ہوسکتی ہے۔

(۲) حج سارے عالم میں غلغلۂ توحید بلند کرنے کا نہایت پاکیزہ اور پرامن ذریعہ ہے، اور حج کل کا کل نغمۂ توحید ہی ہے، پچاسوں اور سیکڑوں کلومیٹر کی دوری سے چاروں سمت سے لاکھوں لاکھ لوگ ساری دنیا سے آتے ہوئے '' لبيك اللهم لبيك'' ہم حاضر ہیں اے اللہ ہم حاضر ہیں کی دلنواز صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ کی جانب بڑھتے ہیں، اور تکوینی طور پر دائیں بائیں پوری روئے زمین کی ساری مخلوقات تلبیہ پکارتی اور نغمہ توحید گانے لگتی ہیں (صحیح سنن ترمذی، ج ۲/۶۶۲) ایسے ہی سارے اعمال حج میں ایک اللہ ہی کا ذکر قائم کیا جاتا ہے، توحید کا یہ تحفہ لے کر لوٹنے والا شخص کرۂ ارض کے ہر گوشے کو نور توحید سے جگمگا سکتا ہے، اور دنیا کا کوئی بھی معاشرہ اس سے سبق لے کر اپنی زندگی کی سمت سفر اپنے معبود حقیقی کی جانب موڑ کر دنیا کو

امن کا گہوارہ بنا سکتا ہے۔

(۳) عالمی پیمانہ پر حج درس مساوات ہے، فضل کی بنیاد صرف تقوی اور اللہ کا خوف ہے ''کلکم بنو آدم و آدم من تراب'' (الحدیث) تم سب آدم وحوا کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے، حج وداع میں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیغام مساوات کا اپنے عظیم الشان عالمی منشور پر مشتمل خطبہ میں خصوصی ذکر فرمایا تھا، صرف ایک اللہ کے نام پر ساری دنیا کی تمام قابل ذکر اقوام کے لاکھوں لاکھ افراد ارض پاک پر اکٹھا ہو کر بے سلی ہوئی دو چادروں میں لپٹے ہوئے، سب کی زبان پر ایک کلمہ، سب ایک ہی مقصد کے لئے رواں دواں، گورے، کالے، عربی، عجمی، امیر و رعایا پڑھے بے پڑھے قدم بقدم، ملے جلے، نہ کوئی تفریق نہ کوئی بھید بھاؤ نہ کوئی اونچ نیچ، اللہ اکبر نوع انسانی کی مساوات کا ایسا حقیقی منظر کہیں اور دیکھنے کو نہ ملے گا حج کا یہ سبق لے کر کوئی فرد دنیا کی کسی قوم اور کسی گوشے میں لوٹ کر نوع انسانی کے لئے رحمت ہی کا نمونہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اور۔

(۴) اللہ کے بندوں اور اس سے ڈرنے والوں کو سارے عالم میں اتحاد و اتفاق کا راستہ اپنانے اور انتشار سے بچنے کا عالمی سبق بھی حج کی یہ عظیم الشان عبادت سکھلاتی ہے، عبادت الٰہی کے لئے بنائے گئے سب سے پہلے گھر، مرکز ارضی بیت اللہ الحرام، جس کی ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر، اللہ کی برکات سے بھرا ہوا، سارے عالم کے لئے مرکز ہدایت، معرفت الٰہی کی روشن نشانیوں اور مشاعر سے جگ مگ کرتا، ایسے گھر میں چند دنوں کے لئے بسیرا کرنے والے زندگی بھر کے لئے سامان حیات اور متاع نجات پاتے ہیں، ان کے جذبات اللہ اور اللہ کے برگزیدہ بندوں سے وابستہ ہو کر رہ جاتے ہیں، منی میں رک کر پانچ نمازیں باجماعت ادا کی جائیں یا عرفات میں تاحد نظر ایک اللہ کے لئے لاکھوں لاکھ لرزتے ہاتھ اٹھیں، یہ اور ایسے متعدد اعمال حج وعمرہ انسان کو اتحاد و اتفاق کی ایسی اساس فراہم کرتے ہیں جو کسی بھی سیلاب کفر و شرک اور طوفان معصیت واباحیت سے جنبش نہ کھائے، ایک فرد ان اعمال کو ایک عالمی جماعت مومنہ ومسلمہ کی معیت میں انجام دے کر جب اپنی سرزمین اور وطن کو لوٹتا ہے تو اپنے معاشرے کا نہایت انمول اساسی پتھر بن جاتا ہے، جس سے معاشرہ خیر وسعادت اور صداقت ودیانت اور اتحاد و اتفاق کا ایک زندہ حرکی وجود بن سکتا ہے، کیا ہی خوب کہا ہے شاعر مشرق نے:

زائرین کعبہ سے اقبالؔ یہ پوچھے کوئی
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

☆☆☆

حج کے فوائد اور مناسک کا بیان

الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل رسابق امام وخطیب مسجد حرام، مکہ مکرمہ

اللہ نے اپنے گھر ''بیت اللہ'' کو امن والا حرم بنایا اور استطاعت رکھنے والے کے لئے اس کا حج فرض قرار دیا، حج جسمانی اور مالی دونوں عبادتوں پر مشتمل ہے، اس کے اندر بندہ جسمانی مشقتیں بھی برداشت کرتا ہے اور اپنا مال بھی خرچ کرتا ہے، حج میں اسلام کی عظمت و برتری اور اس کے بلند پایہ اور مقدس ترین اغراض ومقاصد بالکل نمایاں ہیں، اس کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمان ملک وقوم کے اختلاف کے باوجود ایک عظیم اجتماع گاہ میں اکٹھے ہوکر باہم ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں، یہ اسلامی اجتماع سال بہ سال اسی مقدس مقام پر اس انداز سے منعقد ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی اجتماع اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، عرفات کے میدان میں مسلمانان عالم کا یہ اجتماع درحقیقت میدان محشر کے اس اجتماع کی یاد دہانی کراتا ہے جس میں لوگ حساب وکتاب کے لئے پیش ہوں گے اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اعمال اچھے رہے تو اچھا بدلہ دیا جائے گا اور اعمال برے ہیں تو برا بدلہ۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَتُنْذِرَيَوْمَ الْجَمْعِ لا رَيْبَ فِيْهِ فَرِيْق فِي الْجَنَّةِوَفَرِيْق فِي السَّعِيْرِ﴾ الشوریٰ: ۷۔

اور انہیں جمع ہونے کے دن کا خوف دلاؤ جس میں کچھ شک نہیں ہے، اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔

مسلمان عرفات کے میدان میں کھڑے ہوکر جب میدان محشر کا ہولناک منظر یاد کرتے ہیں تو ان پر اللہ کے لئے خشوع وخضوع اور عجز وانکساری کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، وہ اپنے سروں کو کھولے ہوئے اور احرام کا مخصوص لباس زیب تن کرکے دنیا سے رخصت ہونے کی گھڑی یاد کرتے ہیں، گویا وہ آج ہی اپنے تمام دنیاوی امور سے بے نیاز ہوکر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگئے ہیں اور ابراہیم خلیل علیہ الصلوۃ والتسلیم کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کی بخشش ومغفرت اور رضا وخشنودی حاصل کرنے کے لئے سید الانام محمد عربی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اللہ رب العالمین کی جانب متوجہ ہوگئے ہیں۔

مسلمان اس تاریخی مقام پر کھڑے ہوکر وہ وقت یاد کرتے ہیں کہ مذہب اسلام اسی مقدس خطہ وسرزمین سے کس بے چارگی کے عالم میں شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا پر چھا گیا، اللہ کے فضل وکرم سے اسلام کو اس طرح رسوخ حاصل ہوا اور اس کے سپوتوں نے خود اپنے نفس اور دشمنان اسلام سے جہاد کرکے ہر چھوٹے بڑے، آقا وغلام، حاکم ومحکوم اور امیر وفقیر پر اسلام کی جملہ تعلیمات نافذ کردیں۔

پھر اس کے ساتھ ہی وہ اس پہلو پر بھی غور کرتے ہیں کہ حقیقت دین سے دوری، دین سے بیزاری اور اسلامی تعلیمات سے بے اعتنائی کے نتیجہ میں مسلمان کیسی کیسی مشکلات، ضعف وکمزوری اور باہمی اختلاف وانتشار کا شکار ہیں، سچ تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب اللہ تعالی کے احکام کی تعمیل نہیں کی تو اللہ نے بھی ان کے اوپر سے اپنی رحمت کا سایہ اٹھا لیا: ﴿وَاِنْ

تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلَ قَوْماً غَيْرَكُمْ ثُمَ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ﴾سورۃ محمد:۳۸۔ اگر تم (احکام الٰہی سے) منہ پھیرو گے تو وہ تمہاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔

مسلمانو! اپنے دین کی طرف واپس لوٹو، اپنے پروردگار کی جانب رجوع کرو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت وسیرت کو لازم پکڑو کہ اسی سے تمہیں عزت وسربلندی ملے گی اور اللہ کی نصرت وتائید حاصل ہوگی، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللَّه يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾سورۃ محمد:۷۔ اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

اللہ کے بندو! آپ سب سے پہلے منیٰ کی جانب روانہ ہوتے ہیں، سنت یہ ہے کہ منیٰ کے اندر ظہر کی نماز اس کے وقت میں قصر کر کے پڑھیں پھر عصر کے وقت میں عصر کی نماز قصر کر کے پڑھیں، مغرب بھی وقت سے ادا کریں، پھر عشاء کی نماز قصر کر کے وقت کے اندر پڑھیں، پھر جب فجر کا وقت ہو جائے تو فجر کی نماز وقت پر پڑھ لیں اور جب آفتاب طلوع ہو جائے تو عرفہ کی جانب روانہ ہو جائیں اور جب سورج ڈھل جائے تو ظہر اور عصر کی نمازیں ظہر کے اول وقت میں قصر کر کے پڑھیں، نماز سے فراغت کے بعد وہیں عرفہ ہی میں قیام پذیر رہیں اور کثرت سے ذکر واذکار، دعا اور توبہ واستغفار کریں، رسول اللہ ﷺ عرفہ میں قیام کے دوران یہ دعا بکثرت پڑھا کرتے تھے: ''لا إله إلا الله وحده، لاشريك له،له الملك وله الحمد،يحيى ويميت،وهوعلى كل شيء قدير''

عرفہ میں اسی طرح دعا واستغفار کرنے میں مشغول رہیں یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو جائے آفتاب غروب ہو جانے کے بعد مغرب کی نماز پڑھے بغیر مزدلفہ کو روانہ ہو جائیں، وہاں پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک ساتھ جمع کر کے پڑھیں، عشاء کی نماز قصر پڑھی جائے گی، نماز سے فارغ ہو کر مزدلفہ ہی میں رات گذاریں، جب فجر کا وقت ہو جائے تو فجر کی نماز ادا کریں اور ذکر واذکار اور دعا واستغفار میں وہیں مشغول رہیں، پھر آفتاب طلوع ہونے سے پیشتر ہی وہاں سے منیٰ کے لئے واپس روانہ ہو جائیں، البتہ ضعیفوں مثلاً عورتوں اور بچوں کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ چاہیں تو مزدلفہ سے آدھی رات کے بعد ہی منیٰ کے لئے روانہ ہو سکتے ہیں، اور آدھی رات کی تعیین یوں کی جائے گی کہ اس وقت چاند غروب ہو چکا ہو۔

منیٰ پہنچ کر جمرہ عقبہ کو سات کنکریاں ماریں، پھر جن کے پاس قربانی کا جانور ہو وہ قربانی کریں اور سر کے بال منڈائیں یا چھوٹے کرائیں، اس کے بعد اگر ممکن ہو تو اسی دن یا دوسرے دن بیت اللہ پہنچ کر طواف افاضہ کریں، اور اگر طواف قدوم کے ساتھ سعی نہیں کی تھی تو حج قران اور حج افراد کا احرام باندھنے والے سعی کریں، اور جنہوں نے حج تمتع کا احرام باندھا ہے وہ عمرہ کے علاوہ حج کے لئے بھی الگ سے ایک سعی کریں، اس کے بعد منیٰ واپس لوٹیں اور وہاں ایام تشریق کی تینوں راتیں گذاریں اور رمی جمار کریں، اگر کوئی شخص دو ہی دن میں اپنے کام پورا کر کے واپس ہونا چاہے تو کوئی حرج نہیں، اور کوئی تین دن رہنا چاہے اس کے لئے بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

حج کے اندر مذکورہ اعمال انجام دینے کے بعد سوائے طواف وداع کے اور کوئی کام باقی نہیں رہا، طواف وداع سب سے آخری عمل ہوگا جو وہاں سے رخصت ہوتے وقت انجام دیا جائے گا۔ اے اللہ ہمارے وجملہ مسلمانوں کے اعمال حج کو قبول فرما۔☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

اساتذۂ کرام

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

دارالحدیث رحمانیہ کے اساتذہ کرام کے تذکرہ وتعارف کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے ذیل میں متعدد اساتذہ کا تذکرہ ان کے شاگرد رشید مولانا عبدالغفار حسن رحمانی علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں کیا جارہا ہے۔

(۷) مولانا کبیرالدین صاحب:

جس وقت میں رحمانیہ میں داخل ہوا تو مولانا موصوف چھٹے سال میں تھے، یعنی فارغ ہونے میں تین سال باقی تھے، فارغ ہونے کے بعد دارالحدیث رحمانیہ میں بطور مدرس ان کا تقرر ہوگیا، مولانا محترم کا تعلق مشرقی بنگال سے تھا، باوجود بنگالی ہونے کے اردو زبان بڑی روانی سے بولتے تھے، راقم الحروف نے ان سے سنن نسائی پڑھی ہے، بہت محنت سے پڑھاتے اور طلبہ کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے، لیکن رحمانیہ میں ان کے قیام کا زمانہ ایک سال سے زیادہ نہ رہا، مولانا موصوف رحمانیہ سے الگ ہونے کے بعد مدرسہ عالیہ ڈھاکہ میں عرصہ دراز تک دینی علوم کے استاذ رہے، مزید تفصیل معلوم نہیں ہوسکی کہ زندگی کے آخری دور میں ان کے کیا کیا مشاغل تھے اور کب وفات پائی، اتنا ضرور یاد ہے کہ لاہور میں منعقد ہونے والے ایک جلسہ میں مولانا کبیرالدین صاحب بھی تشریف لائے تھے اور ان کی تقریر سے سامعین محظوظ ہوئے تھے، یہ جلسہ لاہور موچی دروازہ میں ہوا تھا، کس سن میں آمد ہوئی یاد نہیں، اتنا یاد ہے کی پاکستان بننے کے بعد تشریف لائے تھے۔

(۸-۹) مولانا محمد سلیمان مئوی اعظمی ومولانا عبدالرؤف صاحب بنگالی:

ان دونوں حضرات سے میں نے ابتدائی عربی کتابوں کی تعلیم حاصل کی، میزان منشعب، نحومیر وغیرہ۔

(۱۰) مولانا عبداللہ صاحب ندوی:

مولانا موصوف کا تقرر رحمانیہ میں اس وقت ہوا جب کی میرا آخری تعلیمی سال تھا، مولانا موصوف کا عربی ادب کا ذوق بہت اچھا تھا، راقم الحروف نے ان سے دیوان حماسہ پڑھی، بہت اچھے انداز میں پڑھاتے تھے، اشعار کی تشریح کبھی عربی میں اور کبھی اردو میں کرتے، شاعری کا ذوق اور ملکہ بھی تھا، کبھی ترنم کے ساتھ اپنے اشعار سنایا کرتے تھے، شیخ عطاء الرحمٰن مہتمم مدرسہ بھی ان کی بہت قدر کرتے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے، ان کے پاس اکثر عربی ادب کی کتابیں زیر تدریس تھیں۔

مولانا موصوف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغین میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے، ۱۹۵۲ء میں جب راقم الحروف اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ دعوتی دورے پر مشرقی پاکستان ''مرحوم'' گیا تو استاذ محترم سے بنگشالی مسجد میں ملاقات ہوئی اور

جمعہ کی نماز کے بعد مولانا محترم نے مجھے تقریر کا موقع دیا، اصل میں استاذ محترم نے مجھے خطبہ جمعہ کے لیے بلایا تھا لیکن میں بروقت نہ پہنچ سکا، اس لیے بعد میں تقریر کا موقع ملا، بنگال کے مسلمانوں میں ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ دینی مواعظ بڑی توجہ سے سنتے ہیں، اگر نماز جمعہ کے بعد بھی کسی عالم کی تقریر کا اعلان ہوجائے تو حاضرین میں سے ایک فرد بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتا ''مغربی پاکستان'' کی صورت حال اس سے مختلف ہے افسوس ہے کہ اس کے بعد ملاقات نہ ہوسکی، مولانا محترم استاذ مکرم، مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم کے ہم زلف تھے۔

(۱۱) مولانا عبدالغفور صاحب، ضلع بستی:

مولانا موصوف ۱۹۳۳ء کے شروع میں رحمانیہ تشریف لائے، یہ میری آخری تعلیمی سال تھا، یوں سمجھیے کہ مولانا عبداللہ ندوی اور مولانا عبدالغفور صاحب دونوں کی آمد کا سال ایک ہی تھا، مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، ادبی ذوق اچھا تھا، عربی انشاء اور ترجمتین کے لیے ہماری جماعت ان سے استفادہ کرتی تھی، بڑے خوش اخلاق، متواضع اور طلبہ کے لیے مشفق ومربیّ استاذ تھے، افسوس ہے کہ ان سے زیادہ استفادے کا موقع نہ مل سکا، مولانا موصوف مولانا اعزاز علی مرحوم کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔

(۱۲) مولانا محمد شریف صاحب پشاوری:

ان سے ہماری جماعت نے حسب ذیل کتابیں پڑھیں: شرح وقایہ، قدوري، اور شرح تہذیب، شرح جامی، کافیہ شافیہ اور رشیدیہ جزوی طور پر نیز محیط الدائرہ، قطبی، مولانا موصوف کے پڑھانے کا انداز اچھا تھا، طلبہ کے ساتھ اس طرح میل جول رکھتے تھے جیسے بڑے بھائی چھوٹے بھائیوں سے رکھتے ہیں، عام طور پر اساتذہ کم آمیز ہوتے ہیں، لیکن استاذ محترم اس کے برعکس تھے، حنفی ہونے کے باوجود کبھی انہوں نے ایسی بات نہیں کہی جس سے مذہبی تعصّب کا پتہ چلتا ہو۔

ان کتابوں کے علاوہ مدرسہ رحمانیہ میں ترجمہ قرآن کی تدریس کا بھی اہتمام کیا جاتا تھا، یہ ترجمہ قرآن مختلف کلاسوں میں متعدد اساتذہ پڑھایا کرتے تھے، ان میں سے ایک مولانا محمد شریف تھے۔

(۱۳) مولانا محمد داود راغب شاہجہان پوری ضلع میرٹھ:

مولانا موصوف سے میں نے ھدایۃ النحو، فصول اکبری اور اس قسم کی دوسری کتابیں پڑھی ہیں، بہت ہی ذہین اور قابل طلبہ میں شمار ہوتے تھے، رحمانیہ سے فارغ ہوکر وہیں پر مدرس ہوگئے تھے تقریباً ایک سال انہوں نے پڑھایا، ان کی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے رحمانیہ کا پورا نصاب چار سال میں ختم کردیا، یعنی ہر سال دو کلاسوں کا امتحان دیا کرتے تھے، تحریری ملکہ بہت اچھا تھا، درس وتدریس میں بھی مہارت رکھتے تھے، رحمانیہ سے الگ ہونے کے بعد عمر آباد ''دارالسلام'' میں بھی پڑھاتے رہے ہیں، پاکستان بننے کے بعد کراچی منتقل ہوگئے تھے، یہاں کراچی میں رہتے ہوئے انہوں نے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور ساتھ ہی حدیث کی اہم کتاب ''منتقی الاخبار'' اور اس کی مشہور شرح ''نیل الاوطار'' کا ترجمہ اردو میں کرڈالا، شرح منتقی

الاخبار کا یہ ترجمہ ابھی تک زیورِطبع سے آراستہ نہیں ہوسکا، دیکھیے کب اس کی باری آتی ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا ترجمہ دارالدّعوۃ السّلفیہ لاہور نے شائع کردیا ہے، اس ترجمہ کی اشاعت مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم کی حسنات میں شمار ہوگی، ان شاء اللہ۔ کراچی کے مشہور عالم قاری عبدالخالق صاحب ان کے داماد ہیں، قاری صاحب موصوف بھی رحمانیہ کے فارغین میں سے ہیں جو غالباً ۱۹۴۰ء میں فارغ ہوئے ہیں۔

مولانا محمد داود راغب رحمانی، مولانا حافظ محمد ابراہیم دہلوی کے ہم سبق اور گہرے دوست تھے، حافظ موصوف کی وفات کے بعد ان کی بیوہ سے مولانا داود موصوف نے شادی کرلی تھی، یہ رشتہ خوب کامیاب رہا۔(۱)

(۱۴) مولانا سکندر علی ہزاروی:

ان سے سبقاً سبقاً حسب ذیل کتب پڑھیں: صدرا، رسالہ میرزاہد، ہدایۃ کتاب البیوع تفسیر بیضاوی پارہ اوّل، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت، حمداللہ، تصدیقات نصف اوّل، مولانا موصوف مشکل سے مشکل مباحث کے مسائل سمجھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ان کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے زیر بحث درس کا خلاصہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کردیا کرتے تھے اور اس کے بعد پھر عبارت پڑھاتے ہوئے تشریح کرتے جاتے تھے، تفہیم کا یہ ملکہ خداداد تھا، طلبہ کے حق میں شفیق اور مہربان تھے حنفیت میں بڑے پختہ تھے۔

(۱۵) مولانا عبدالسلام افغانی:

ان سے حسب ذیل کلی یا جزوی طور پر کتب پڑھی گئیں: حمداللہ (بقیہ حصہ) شرح اشارات، بوعلی سینا نصف اوّل، قاضی مبارک تصورات نصف اوّل، استاذ موصوف معقولات کے ماہر شمار ہوتے تھے، دارالحدیث رحمانیہ میں آنے سے پہلے بدایوں میں استاذ معقولات تھے، ان کی اس شہرت کی بناء پر دارالحدیث رحمانیہ کے مہتمم عطاء الرحمٰن صاحب نے استاذ محترم مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ کو ایک سال کے لیے ان کے پاس بھیجا تھا تاکہ معقولات کی تدریس میں مزید مہارت وگہرائی پیدا ہو اور ویسے بھی مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ اپنے مزاج وشوق کے لحاظ سے معقولات سے شغف رکھتے تھے اور بڑے اچھے انداز سے مشکل مقامات کو حل کردیا کرتے تھے، مولانا افغانی صاحب سلفی تو نہ تھے لیکن غیر مقلد تھے اور کچھ نہ کچھ اعتزال کا بھی چسکا تھا، لیکن بڑے خوش اخلاق اور متوضع انسان تھے اور معقولات میں قابلیت کے لحاظ سے بے مثال تھے، وہ فرمایا کرتے تھے میں نے حمداللہ کی شرح عربی میں لکھی ہے جس کا نام الاسوۃ الحسنیٰ ہے، لیکن یہ کتاب زیورِطبع سے آراستہ نہ ہوسکی، افسوس ہے کہ مولانا موصوف رحمانیہ میں ایک سال بھی نہ گزار سکے کہ ان کو ٹی۔ بی ہوگئی، آخر کار وہ اسی مرض میں چل بسے، مولانا شریف اللہ صاحب سواتی ان کے ہم زلف تھے۔

(۱) الاعتصام لاہور: ۴/نومبر ۱۹۹۴ء ص: ۱۸۔۲۰

(۱۶) مولانا شریف صاحب سواتی:

مولانا عبدالسلام صاحب کے انتقال کے بعد مولانا سواتی معقولات پڑھانے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے جو کتابیں ادھوری رہ گئیں ان کو مولانا سواتی صاحب نے مکمل کرایا، خاص طور پر اشارات اور قاضی مبارک، مولانا موصوف صبح سے ظہر تک مدرسہ فتح پوری میں معقولات پڑھایا کرتے تھے، اور ظہر کے بعد تدریس کے لیے مدرسہ رحمانیہ تشریف لایا کرتے تھے، عرصہ دراز سے پڑھاتے پڑھاتے منطق اور فلسفے کے مباحث ازبر ہو گئے تھے، وہ اس طرح پڑھاتے تھے گویا کہ کسی سے باتیں کررہے ہیں، یعنی تقریر وخطابت کا انداز نہیں ہوتا تھا بلکہ بات چیت کا انداز ہوتا تھا، حنفیت میں متشدد نہ تھے۔(۱)

صراط مستقیم میں مولانا عبدالغفار صاحب رحمانی فرماتے ہیں: ہمارے استاذ مولانا محمد شریف سواتی مولانا ابوالاعلی مودودی کے بھی استاذ ہیں، پاکستان بننے کے بعد الجامعۃ السّلفیہ حیدرآباد میں بھی پڑھاتے رہے ہیں۔(۲)

(۱۷) مولانا خیر محمد صاحب جالندھری:

یہ بات واضح ہے کہ مولانا عبدالسلام کی بیماری کے دوران کچھ عرصہ مولانا موصوف نے بھی معقولات کے اسباق پڑھائے تھے، غالباوہ دوتین ماہ سے زیادہ قیام نہیں کرسکے، ان کے زمانے کے دووا قعات سبق آموز ہیں:

(۱) ایک مرتبہ انھوں نے پڑھاتے ہوئے سوال کیا کہ لفظ اشیاء غیر منصرف کیوں ہے؟ ہمارے ایک ساتھی لقمان بنگالی نے جواب دیا کہ اس میں قلب ہے ''شیاء'' سے اشیاء معدول ہے اس جوب سے استاذ محترم بہت خوش ہوئے۔

(۲) آخری تعلیمی سال میں فجر کی صلاۃ کی امامت میرے ذمہ تھی اور مولانا خیر محمد صاحب میری اقتداء میں صلاۃ ادا کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ میں کوئی لفظ بھول گیا تو مولانا نے مجھے لقمہ دیا جو میں نے فوراً قبول کرلیا، محترم مولانا مسجد میں کم آیا کرتے تھے، اس لیے درس کے علاوہ ان سے ملاقات کا موقع مشکل سے ہی ملتا تھا۔

(۱۸) مولانا عبدالرحمٰن صاحب نگرنہسوی بہاری:

مولانا موصوف سے میں نے درج ذیل کتب پڑھیں:

مشکوۃ المصابیح دوسال میں مکمل، تاریخ الخلفاء، تفسیر جلالین نصف اوّل، مقامات حریری، دیوان متنبّی، سبعہ معلقہ، ترجمتین اور انشاء عربی، تلخیص المفتاح مکمل، مختصر المعانی۔

مولانا محترم کو تفہیم کا اچھا ملکہ حاصل تھا، اس انداز سے بلند آواز میں وضاحت فرماتے کہ بات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی، بہاری اہل علم کی گفتگو کا ایک خاص انداز ہے، بولتے وقت جھٹکا سا محسوس ہوتا ہے، لیکن کبھی آواز میں نرمی اور کبھی شدت، لیکن دونوں حالتوں میں لطافت پائی جاتی ہے، مولانا کا ادبی ذوق بہت اچھا تھا، اس لئے عام طور پر عربی ادب کی کتابیں وہ

(۱) الاعتصام لاہور: ۱۹/اگست ۱۹۹۴ء ص: ۱۶۔ (۲) صراط مستقیم برمنگھم: نومبر ۱۹۹۸ء ص: ۱۶

خود پڑھایا کرتے تھے،اگر چہ وہ اردو میں پڑھاتے تھے لیکن تشریح کرتے ہوئے ان کا ادبی ذوق نمایاں ہوجاتا تھا،ان کی زندگی بہت سادہ تھی،ان کے ساتھ ایک لڑکا جسکی عمر ۱۰ سال اور نام حمید تھا،رہتا تھا،باقی اہل وعیال وطن میں رہتے تھے،معلوم نہیں اب حمید کا کیا حال ہے؟(۱)

ایک دوسری جگہ مولانا عبدالغفار فرماتے ہیں:''دارالحدیث رحمانیہ کے دیگر اساتذہ میں ایک مولانا عبدالرحمٰن بہاری الندوی بھی تھے،یہ پڑھانے میں اتنے ماہر تھے معلوم ہوتا تھا گویا پڑھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے،ان سے بھی میں نے کافی کتابیں پڑھیں.....مولانا کو اللہ کریم نے بڑی بلند اور پاٹ دار آواز سے نوازا تھا۔(۲)

(۱۹) مولانا عبدالرزاق صاحب پشاوری:

یہ معقولات کے ماہر تھے ان سے راقم الحروف نے سلم العلوم کا کچھ حصہ اور اسی طرح تفسیر بیضاوی جزوی طور پر پڑھی تھی،استاذ محترم کا چہرہ پوری طرح دیکھنا نصیب نہیں ہوا،وہ سخت گرمی کے زمانہ میں بھی چہرے کا بہت کم حصہ کھولتے تھے ،معلوم نہیں اس حجاب کی کیا وجہ تھی،تمام مشہور متون ان کو زبانی یاد تھے،مثلاً''تہذیب''''سلم العلوم''تلخیص المفتاح،شافیہ اور کافیہ وغیرہ،جس طرح لوگ قرآن مجید حفظ کرتے ہیں،اسی طرح انھوں نے بہت سے متون یاد کئے ہوئے تھے،ان کے لباس میں سادگی اور گفتگو میں روانی تھی،بہت زیادہ استفادہ کا موقع نہیں مل سکا۔(۳)

مولانا عبدالغفار اپنے ان ہی استاذ کے بارے میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:ہمارے اساتذہ میں ایک استاذ پختون بھی تھے،پشتو زبان بولنے والے،یہ ہمارے استاذ محترم اگر چہ مذھباً حنفی تھے لیکن مذہبی تعصب سے پاک،اللہ رب العزت نے انہیں کمال کا حافظہ دے رکھا تھا،کتابوں کے متون انہیں زبانی یاد تھے،بغیر مطالعہ کے پڑھاتے،نص کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ پڑتی،ان میں ہم نے ایک عجیب بات دیکھی،انہوں نے ہمیں ایک سال پڑھایا.....(۴)

☆☆☆

(۱)الاعتصام لاہور:۱۹/اگست ۱۹۹۴ء ص:۱۷۔ (۲)ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم:نومبر ۱۹۹۸ء ص:۱۶۔
(۳)الاعتصام لاہور:۱۹/اگست ۱۹۹۴ء ص:۱۷۔ (۴)صراط مستقیم برمنگھم:نومبر ۱۹۹۸ء ص:۱۶

مولانا کھنڈیلوی

اور

وجہ ترجیح طریق ہلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہؓ

(از حضرت مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی مبارکپوری)

(قسط:۲) مولانا محمد مستقیم سلفی/استاذ جامعہ سلفیہ

مولانا نے دوسرے احتمال پر (جس میں ''من غیر حدیث هلال بن یساف'' میں لفظ ''حدیث'' کو منون اور ''هلال الخ کو ''روی'' کا نائب فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع بتایا گیا ہے) پہلا کلام یوں کیا ہے ''حدیث'' کو قطع اضافت کے ساتھ منون پڑھنا صرف عن الظاہر ہے اس پر کوئی قرینہ ہونا چاہئے، انتہی۔ مولانا جس احتمال کو ظاہر کہدیں وہ ظاہر ہے اور جس کو غیر ظاہر صرف عن الظاہر فرمادیں وہ غیر ظاہر اور محتاج قرینہ ہے، هذا شيء عجيب۔

مولانا! اگر ''حدیث'' کو غیر منون مع، اضافت پڑھنا ظاہر ہے تو منون مع قطع الاضافت پڑھنا اظہر ہے اسکی تقویت وتائید نصب الرایہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے جس کو امام زیلعی نے عبارت مجوثہ عنھا کی بجائے جامع ترمذی سے یوں نقل کیا ہے ''وهوعندی أصح من حديث عمرو بن مرة لأنه'' ''روی من غير وجه عن هلال عن زياد عن'' وابصة''۔

اگر یہ عبارت نقل بالمعنی ہے کما ہوالظاہر تو اس سے واضح طور پر تو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ زیلعی نے ''من غير حديث هلال'' میں ''حدیث'' کو منون پڑھا ہے اور اس کو طریق کے معنی میں لیا ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ اس حدیث (طریق) کے علاوہ کئی حدیث (طریق) سے ''عن هلال عن زياد عن وابصة'' روایت کیا گیا ہے یا حدیث مذکور طریق مذکورہ کے علاوہ کئی طریق سے ''هلال عن زياد عن وابصة'' سے مروی ہے اور اس کئی طریق سے مراد ثوری، شعبہ، ابن عیینہ، عبثر عن ہلال کے طرق ہیں کہ چاروں ''هلال'' سے اوپر ''زياد عن وابصة'' ذکر کرتے ہیں۔

بخلاف شعبہ عن عمرو بن مرۃ'' کے کہ وہ ''هلال'' سے اوپر ''عمرو بن راشد'' ذکر کرنے میں متفرد ہیں۔ اور یہ ایسا ہے جیسا کہ امام ترمذی باب المسح على الخفين میں ''عاصم بن ابی النجود عن زر عن حبيش عن صفوان'' کے طریق سے حدیث روایت کرنے اور مذاہب وغیرہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''وقد روى هذا الحديث عن صفوان بن عسال من غير حديث عاصم'' انتہی۔

مولانا نے دوسرے احتمال پر دوسرا کلام یوں کیا ہے:

''حدیث'' کومنون مع قطع الاضافت پڑھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ ''روی'' کا نائب فاعل ایک ذات مشخص ہو اور یہ خلاف محاورہ عرب ہے۔ اکثر ''روی'' کا اطلاق حدیث وطریق وسند پر ہوتا ہے نہ کسی ذات مشخص پر ''فلا یقال روی زید بل یقال روی عن زید أو روی هذا السند من طریق فلان ''وغیرہ

پس ''روی ''کو فعل مجہول اور ''ھلال بن یساف ''کو نائب فاعل بنانا صحیح نہیں ہے۔ انتہی

گزارش یہ ہے کہ جب یہاں لفظ ''ھلال عن زیاد الخ ''کو نائب فاعل بنانا مقصود ومراد ہے تو ''روی'' کا نائب فاعل ذات مشخص کا ہونا کس طرح لازم آ گیا؟ پھر ایک طرف تو آپ ذات مشخص کا '' روی '' کا نائب فاعل ہونا خلاف محاورہ عرب قرار دیتے ہیں لیکن اس کے بعد فوراً ہی محاورہ عرب یوں بیان کرتے ہیں۔

''اکثر روی'' کا اطلاق حدیث وطریق وسند پر ہوتا ہے نہ کہ ذات مشخص پر'' آپ کی اکثر کی قید سے صاف نکلتا ہے کہ کبھی کبھار'' روی '' کا اطلاق ذات مشخص پر بھی ہوتا ہے پس اس کے بعد ''فلا یقال روی زید '' کا محاورہ پیش کرنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ کونکہ جب ''اکثر'' کی قید کی رو سے بعض اوقات ذات مشخص پر بولنے کا جواز آپ کے کلام سے ثابت ہے تو فلا یقال الخ کے ذریعہ بالکلیہ اس کی نفی کرنی درست نہیں ہو سکتی اور ہمارے نزدیک تو ''روی زید '' کہنا درست ہے اگر لفظ زید مراد ہو پھر ''أو روی هذا السند من طریق فلان '' کا محاورہ لکھ کر تو آپ نے اس عاجز کی پوری تائید فرمادی ہے ورنہ ایک مہمل جملہ بول گئے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

''سند'' کہتے ہیں ''اخبار عن طریق المتن'' کو (الفیہ سیوطی تدریب الراوی وغیرہ) یا حکایت طریق المتن کو (شرح نخبہ) یعنی ''سند'' نام ہے ''اسماء رواۃ متن'' کا بناء علی ان الا ضا فة بیا نية علی ما نقل عن الحا فظ۔

پس مولانا کے نقل کردہ محاورہ میں ''سند'' سے مراد ''اسماء رواۃ'' ہوں گے اور مطلب یہ ہوگا کہ یہ اسماء رواۃ فلاں کے طریق سے روایت کئے گئے ہیں اب اسماء سے مراد الفاظ ہوں گے یا ان کے مسمیات یعنی ذوات مشخصہ اگر پہلی شق مراد ہے تو ہماری موئد ہوئی اس لئے کہ ہم نے لفظ'' ھلال عن زیا د '' کو جو اسماے رواۃ ہیں ''روی '' کا نائب فاعل بنایا ہے۔ اور اگر دوسری شق مراد ہے تو آپ کے اس پیش کردہ محاورہ کی رو سے ذات مشخصہ پر ''روی '' کے اطلاق کا جواز ہی نہیں بلکہ اس کا بامحاورہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کے اس محاورہ کا بے معنی (مہمل) ہونا اس طرح متحقق ہے کہ ''سند'' نام ہے ''طریق متن'' (اسماء رواۃ) کا اور ''طریق'' نام ہے ''سند'' کا تو ''روی هذا السند من طریق فلاں '' کا معنی یہ ہوا کہ یہ سند فلاں کی سند سے یا یہ طریق فلاں کی طریق سے روایت کیا گیا ہے وهذا کما تری لیس له معنی صحیح اللّهم الا أن یکون المراد انه رویت هذه القطعة من السند من طریق فلان أي ورد ذکر هؤلاء الرواۃ من طریق فلان وهذا یؤید کلامنا فی انشاء الاحتمالین۔ مولانا کو تکثیر ''مسامحات'' کی دھن میں یہ خیال نہیں رہا کہ ان کا قلم کیا کچھ لکھ رہا ہے انا للہ الخ، بہر کیف ان مختصر گزارشات سے قارئین کرام پر واضح ہوگیا ہوگا کہ مولانا نے ہمارے لکھے

ہوئے دونوں احتمالوں پر جن چند وجوہ سے کلام کیا ہے ان کا ''وزن'' کیا ہے اور ہماری تحریر میں آپ کو جو چند مسامحات نظر آئے ان کی کیا حقیقت ہے۔ مولانا! وان تعودوا نعدالخ۔

قارئین کرام سے اب عرض ہے کہ مولانا نے امام ترمذی کے کلام مشتمل پر وجہ ترجیح طریق ''زیاد عن وابصۃ'' کی عربی میں جو تشریح فرمائی ہے اسے اور اس پر ہماری تنقید کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا نے نہ معلوم اس حصہ کی عربی کیوں باقی رکھی؟ شاید اس لئے کہ ان کی اس تشریح وتوجیہ کا ماخذ بھی عربی میں ہے۔ واللہ علم بہر حال مولانا کے تشریحی الفاظ یہ ہیں۔

''قال أبوعيسى الترمذي ان هذا المذكور أي حديث زياد بن أبي الجعد أصح عندي من حديث عمرو بن مرة لأنه أى عمرو بن مرة قد روى بصيغة المعلوم من غير حديث هلال بن يساف عن زياد بن أبى الجعد عن وابصة فلفظ روى في كلام الترمذي بصيغة المعلوم لا بصيغة المجهول ولفظ عن زياد متعلق روى المذكور وفاعل روى عمرو بن مرة انتهى كلام الشيخ الكنديلى (الكهنديلوى)۔

قلت كلا بل قوله روى على بناء المفعول لا بناء الفاعل والضمير المتصل فى قوله لأنه ليس لعمرو بن مرة بل هو ضمير الشان وحرف الجار أي قوله عن زياد ليس متعلقا بروى المذكور بل هو نائب فاعل لقوله روى بناءً على أن المراد منه اللفظ لا المعنى كما أوضحنا ذلك غير مرة وأما على ما قال الشيخ فيفسد المعنى ولا يصح كلام الترمذي هذا فإن قوله "لأنه قد روى من غير حديث هلال بن يساف "يقتضى على شرح الشيخ ان عمرو بن مرة روى حديث وابصة من حديث اٰخر غير حديث هلال بن يساف أى روى من طريق اٰخر غير طريق هلال ثم جعل قوله عن زياد متعلقاً بروى المذكور يقتضى انّ عمرو بن مرة رواه عن زياد مباشرة أى من غير واسطة وان رواية عمرو بن مرة عن زياد بلا واسطة هي غير حديث هلال يعنى طريق عمرو بن مرة عن زياد غير طريق هلال وهو الذى فهمه صاحب العرف الشذى بناءً على ما وقع فى النسخة الأحمدية وغيرها من النسخ المطبوعة لجامع الترمذى بعد ذلك من زيادة قوله "حدثنا محمد بن بشار نا محمد بن جعفر نا شعبةعن عمرو بن مرة عن زياد بن أبى الجعد عن وابصة" قال صاحب العرف بعد ذكره هذا حديث زياد بن أبى الجعد غير حديث هلال بن يساف عنه..انتهى، لكن هذا كله مخالف لما ذكره الشيخ الكنديلى بعد شرحه المتقدم حيث قال "فرجّح الترمذى هذا أي حديث زياد بن أبى الجعد على حديث عمرو بن راشد لأنه روى من طريقين أى طريق حصين عن هلال عن زياد عن وابصة وطريق عمرو بن مرة عن هلال عن زياد عن وابصة انتهى فان هذا صريح في

أن عمرو بن مرة لم يروه عن زياد مباشرة بل روى بواسطة هلال أعني أن كلامه هذا يدل صريحاً على أنه بين عمرو بن مرة وبين زياد واسطة هلال وهذا كما ترى منا قض لما يدل عليه كون "عن زياد " متعلقاً روى المذكور من أن عمرو بن مرة روى عن زياد مباشرة أي بلا واسطة ومخالف لما يدل عليه الزيادة المذكورة.

ثم ان قول الشيخ فى بيان الطريق الثانى وطريق عمرو بن مرة عن هلال عن زياد عن وابصة مخالف لشرحه ان عمرو بن مرة روى حديث زياد من غير حديث هلال فان هذا ظاهر فى أن عمرو بن مرة لم يروه من طريق هلال بل من طريق اٰخر غير طريق هلال .

وفيه أيضًا أن كلامه لبيان طريق الثانى يقتضى ان قول الترمذى " عن زياد" فى بيان وجه الا صحيحة ليس متعلقاً بروى المذكور بل هو متعلق بروى المقدر بعد قوله "هلال" وهذا ظاهر لمن تأمل تأملا صادقا.

ثم نسأل الشيخ الكنديلى بعد الاغماض والاغضاء عن كلامه المتناقض الذى لا يظهر الا من رجل ينسبه اٰخر كلامه أوله أن يمن علينا بذكر من خّرج هذا الحديث من طريق عمرو بن مرة عن هلال عن زياد عن وابصه وتعيين الكتاب الذى فيه من هذا الطريق ونحن نقول جهارا وقولنا حق ان حديث وابصة لم يرو من هذا الطريق أى طريق عمرو بن مرة عن هلال عن زياد عن وابصة أصلا وانه لا أصل بل ولا أثر له فى كتب الحديث ودواوينه فهو مما اخترعه الشيخ الكنديلى لعدم فهمه كلام الترمذى ونسأل أيضا من وا فق صاحب العرف الشذى أن يذكر لنا الذى خرجه من طريق عمرو بن مرة عن زياد عن وابصة واماما وقع فى النسخ الترمذى المطبوعة من قوله حدثنا محمد بن بشار نا محمد بن جعفر نا شعبة عن عمرو بن مرة عن زياد عن وابصة فهى زيادة لا أصل لها وهى خطاء كما نبهنا على ذلك فى جوابنا أولا ويدل على كونها خطأ أيضا انه لم نجد فى كتب الرجال عمرو بن مرة فى تلامذة زياد بن أبى الجعد ولا زيادا فى شيوخ عمرو بن مرة فلا نشك فى أن عمرو بن مرة لا يروى عن زياد ومن ادعى ان عمرو هذا أخذ الحديث عن زياد وانه من تلامذته فليا تنا بدليل على ذلك ولا يمكن له هذا ابدا. وانى أتعجب من شيخ الكنديلى انه لم يلتفت انى ما كتبت فى جوابى تحت عنوان " تنبيه" نقلاعن تعليق الشيخ أحمد محمد شاكر على جا مع التر مذى .

ثم نقو ل لو كا ن مقصود الترمذى ما ذكر ه الشيخ الكند يلى لكان كلام الترمذى هكذا "لأنه

(أي عمرو بن مرة) قد روى أيضا عن هلال عن زياد عن وابصة " يعنى ان حديث حصين عن هلال عن زياد عن وابصة أصح وأرجح من حديث عمرو بن مرة عن هلال عن عمرو بن راشد عن وابصة لأن حصيناً لم يرو عنه خلاف ما ذكر واما عمرو بن مرة الذى روى عن هلال عن عمرو بن راشد عن وابصة فقد روى خلاف هذا أى روى عن هلال عن زياد عن وابصة موافقا لحديث حصين عن هلال فى السند۔

ثم قال الشيخ الكنديلى فالحديث الذى روى من طريقين أصح وأرجح من حديث الذى روى من طريق واحد انتهى وقال صاحب العرف فالحديث الذى بطريقين أصح من الذى بطريق واحد انتهى۔

قلت ليست هذه قاعدة كلية: فكم من حديث له طرق وأسانيد قد رجح عليه حديث له طريق واحد وهذا اذا كان فى طريق الأول ضعف يسير قد انجبر بكثرة طرقه وبلغ بذلك الىٰ درجة الحسن وكان طريق الثانى صحيحا لذاته فى أعلى مراتب الصحة فانّ الترجيح فى مثل هذا للثانى وكذا اذا كانت طرق الأول ضعيفة جدا واهية وطريق الثانى قوية صحيحة. ثم قال الشيخ الكند يلى وبين الامام الترمذى بعد ذلك هذين الطريقين بالسندين انتهى. لم يبين الشيخ انه ماذا أراد بالطريقين وبالسندين ولم يوضح انه كيف بين الترمذى هذين الطريقين بالسندين ولا أدرى ما وجه الاجمال والابهام مع انّ المقام مقام الكشف والايضاح لا الابهام والمحل محل الشرح والتفصيل لا الاجمال والاختصار وانى اعترف بأنه لم يتحصل لى من كلامه هذا شى فان التعريف باسم الاشارة واللام فى قوله "هذين الطريقين" يقتضى ان المراد بالطريقين الطريقان اللذان ذكرهما الشيخ قبل ذلك بقوله " لأنه روى من طريقين طريق۱ حصين عن هلال عن زياد عن وابصة وطريق۲ عمر و بن مرة عن هلال عن زياد عن وابصة " لكن من المعلوم ان الترمذى لم يبين هذين الطريقين فيما بعد أصلا فانه لم يذكر بعد بيان وجه الترجيح الا طريقا واحداً لا طريقين وهذا الطريق الواحد هوطريق "عمرو بن مرة عن هلال عن عمرو بن راشد عن وا بصة" على ما فى النسخ الصحيحة لجامع الترمذى من سقوط الزيادة التى تقدم التنبيه عليها أو ذكر طريقين الأول طريق عمرو بن مرة عن زياد عن وابصة على ما وقع فى النسخة الأحمدية وغيرها من الزيادة والطريق الثانى طريق عمرو بن راشد الذى ذكرناه آنفا ولا شك أنّ هذين الطريقين غير الطريقين الذين ذكرهما الشيخ وان أراد بقوله ان الترمذى بين الطريقين أى طريق عمرو بن

مرة عن هلال عن زياد عن وابصة وطريق عمرو بن مرة عن هلال عن عمرو بن راشد عن وابصة أو أراد ان الترمذی بين طريق زياد عن وابصة وطريق عمرو بن راشد عن وابصة "بالسندين" يعنی بين طريق زياد بسند محمد بن بشار عن محمد بن جعفرعن شعبة عن عمرو بن مرة عن زياد عن وابصة (علی ما فی النسخة الأحمدية وغيرها من الزيادة) وبين طريق عمرو بن راشد بسند محمد بن بشار عن محمد بن جعفر عن شعبة عن عمرو بن مرة عن هلال عن عمرو بن راشد عن وابصة ففيه ان هذا يخالفه ما تقدم كلام الشيخ ان فی طريق زياد عن وابصة واسطة هلال بين عمرو بن مرة وبين زياد وسياق الزياد ة التی قلنا انها مما لا أصل له صريح فی انه لا واسطة بينهما بل روی عمرو بن مرة عن زياد مباشرة من غير واسطة هلال **وبالجملة** قول الشيخ "وبين الترمذی هذين الطريقين بالسندين " غير مستقيم وانی أظن انه أجمل الكلام هنا لأنه لم يكن له تفصيل ذلك ولم يتمكن من توفيق ما علق بذهنه بما وقع فی جامع الترمذی من سياق الكلام بعد ذلك هذا وقد وافق الشيخ الكنديلی صاحب العرف الشذی فی أول شرحه وخالفه فی اٰخره كما لا يخفی علی من عارض وقابل شرح الشيخ بتقرير صاحب العرف وكلاهما قد ضلا عن مراد الترمذی وأخطا فی فهم كلامه كما أوضحنا ذلك وانتفدت شرح الشيخ بالعربية اتباعا له ولم يكن لی بد من هذا فلا يلومنی أحد علی ذلك.

مولانا نے شیخنا الاجل حضرت علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ پر اس توجیہ کے پیش کرنے اور ان سے اس مقام کی شرح نہ کرنے کی شکایت کا تذکرہ فرمایا ہے اور حضرت ممدوح کا جواب ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

''ہمارا خیال اس طرف (اس توجیہ کی طرف یا اس مقام کی شرح کی طرف) نہیں گیا مگر ہم نے اس کی طرف (اس توجیہ کی طرف یا اس مقام کی شرح کی طرف) اشارہ کر دیا ہے کہ فعل روی کو ہم نے معروف لکھا ہے۔ (روی فعل معروف اور مجہول دونوں کی کتابت یکساں اور دونوں کا رسم خط ایک ہے) اس پر ہم نے اعراب دے دیا ہے'' (یہ ضبط بالقلم یعنی ضبط بالحرکات ہے جو چنداں قابل وثوق نہیں، اصل لائق اعتماد ضبط باللفظ ہوتا ہے اور وہ یہاں موجود نہیں ہے) مولانا کی ثقاہت'' کے پیش نظر تو اس ''حکایت'' کے بارے میں شک کرنا مشکل ہے لیکن ''درایۃً'' ہمیں اس امر میں تامل ہے کہ حضرت شیخ نے وہ کچھ فرمایا جو اس غلط توجیہ کی تقویت کے لیے اس ''داستان'' میں ان کی طرف بصورت الفاظ مذکورہ منسوب کیا گیا ہے بین القوسین کچھ اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے مختصر کچھ اور بھی عرض ہے۔

یہ قصہ اگر پیش آیا ہوگا تو اس وقت جبکہ حضرت تحفہ جلد ثانی کی طباعت کے لیے دہلی تشریف لے گئے تھے اور ان دنوں ضعف بصر کی شکایت آپ کو شروع ہو چکی تھی خود کوئی تحریر اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے نہ معلوم آپ اس توجیہ

کو حضرت پر واضح طریقہ پر پیش کر سکے یا نہیں اور حضرت نے غور سے سنا یا نہیں اور سننے کے بعد بطور خود ناقدانہ نظر ڈالنے کا موقع آپ کو ملا یا نہیں ان احتمالات کی بنا پر یقین نہیں ہوتا کہ جناب کی پیش کردہ توجیہ سن کر حضرت نے وہ کچھ فرمایا جو آپ نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، حضرت کی ایک بڑی امتیازی خصوصیت یہ تھی، مسائل، فتاوی، اور اہم علمی مباحث میں عاجلانہ فیصلہ نہ فرمانا بلکہ انتہائی غور وخوض اور تدبر اور امعان نظر کے بعد فیصلہ اور حکم صادر فرمانا، اور موافق یا مخالف رائے قائم کرنی، مخالف کی تحریر کو کڑی تنقیدی نظر سے ملاحظہ فرمانا اور غور وفکر کے بعد اٹل اور جچی تلی رائے کا اظہار اور ان سب میں غایت درجہ کی احتیاط، اس حقیقت کے پیش نظر راقم السطور کے لیے اس کا باور کرنا مشکل ہے کہ حضرت نے کیف ما اتفق آپ کی زبان سے یہ توجیہ سن کر اس پر صادر فرمادیا ہو اور روی کو اعراب دیکر اس مقام کی شرح نہ کرنے کی تلافی کی اور اس توجیہ کی طرف اشارہ کردینے کی خبر دیدی ہو، اس قسم کی ''چلتو اور درسگاہی باتیں کرنا'' حضرت کا شیوہ نہیں تھا۔

ونیز تحفہ کا متن جامع ترمذی مطبوعہ مطبع احمدی ۱۲۶۶ھ کی نقل ہے اس میں جابجا اعراب لگا ہوا ہے ان میں بعض غلط بھی ہیں جن کو تحفہ کی متن میں درست کردیا گیا ہے اور کہیں بے خیالی کی وجہ سے اتفاقی طور پر ''نقل مطابق اصل'' غلط اعراب چھپ گیا ہے کما ستعرف قصداً وہ غلط اعراب باقی نہیں رہ گیا ہے اور حضرت نے تحفہ کے متن میں شاذ ونادر اعراب لگایا ہے اعراب دیکر ضبط کردینے کا اہتمام وخیال تو قطعاً نہیں تھا۔

عبارت مجوثہ عنھا میں ''روی'' کو احمدی نسخہ میں اعراب دیکر ضبط کیا گیا ہے جو غلطی ہے اسکے طابع وناشر وحشی مولوی احمد صاحب مرحوم سہارنپوری محشی بخاری کی۔ کاتب نے احمدی نسخہ میں جب لکھا ہوا دیکھا ویسا ہی تحفہ کے متن میں نقل کردیا اور حضرت کو اسکی طرف توجہ نہیں ہوئی قصداً آپ نے یہ اعراب باقی نہیں رکھا ہے، بلکہ جیسے اور بعض محتاج شرح وضبط مقامات کی تحقیق وضبط اتفاقی بے خیالی کی وجہ سے رہ گئی (اور اس حادثہ سے شائد ہی کوئی شارح محفوظ رہا ہو) اور جیسا کہ احمدی نسخہ میں تھا ویسا ہی کاتب نے لکھا اور چھپا، یہی اس مقام کے ساتھ بھی پیش آیا، جب حضرت کا خیال اس مقام کی شرح کی طرف گیا ہی نہیں جیسا کہ مولانا نے آپ کی طرف منسوب فرمایا ہے تو شرح کی تصنیف کے وقت ''روی'' کو اعراب دیکر اس مقام کی شرح کی طرف یا اس کی توجیہ کی طرف اشارہ کرنے کا خیال کیسے آگیا؟ بہرکیف آپ نے اپنے قلم سے یہ اعراب نہیں دیا ہے بلکہ یہ احمدی نسخہ کی نقل ہے اور نہ آپ نے قصداً یہ اعراب باقی رکھا ہے بلکہ یہ بے خیالی سے باقی رکھا گیا ہے۔

چند مثالیں ملاحظہ کے لیے عرض کی جاتی ہیں (۱) احمدی نسخہ: ۲۲۷ اور متن تحفہ ۲۷۷ دونوں میں ''مَا مِنْ اِمَامٍ يَغْلِقُ بَابَهُ ''مطبوع ہوگیا ہے حالانکہ اس حدیث کے آخر میں ''الا أغلق الله أبواب السماء'' موجود ہے جس سے باب کی تعیین ہوجاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ''غَلَقَ يَغْلِقُ'' نقطہ ردیئہ ہے جو شاذ ونادر استعمال ہوتی ہے، پھر اصح من نطق بالضاد کے کلام میں ''اغلق'' لغت فصیحہ موجود ہوتے ہوئے یغلق کا ضبط غلط نہیں تو اور کیا ہے اور اس کو بے خیالی پر محمول نہ کیا جائے تو کس پر محمول کیا جائے۔

(۲) احمدی نسخہ ص: ۱۸۵ اور متن تحفہ ص: ۱۷۸ دونوں میں ''من یهده ی الله'' مطبوع ہے اور یہ ضبط خلاف قائدہ ہے ہونا یوں چاہئے من یهدی الله۔ چنانچہ شرح میں قائدہ کے مطابق اٹھایا گیا ہے (من یهدی الله) لکھ کر اختلاف نسخہ بتادیا گیا ہے۔

(۳) احمدی نسخہ ص: ۱۱۵ اور متن تحفہ ص: ص ۲۰-۲۸ دونوں میں ''لیَثری به ماله'' بفتح الیاء مطبوع ہے جو غلط ہے اور شرح میں ''لیثری'' اٹھا کر من الا ثراء لکھا گیا ہے اس لیے اسکا صحیح ضبط یوں ہوگا ''لیُثری'' ۔ (۴) نسخہ احمدی ص: ۳۶۳ اور متن تحفہ ص: ۳۶۵ ج ۲ دونوں میں ''فَاِنْ لَّمْ یُتَهَیَّأْ'' بضم الیاء مطبوع ہے اور یہ غلط ہے آخر میں مولانا حدیث ''وابصة'' کی سند کے اختلاف واضطراب کو یوں دفع فرماتے ہیں ''لا بعد فی کونهما صحیحین بأن یکون هلال أخذ من زیاد بن أبی الجعد وعمرو بن راشد کلیهما وأخذ عمرو بن مرة وحصین کلاهما عن هلال بن یساف انتهی، قلت نعم لا بعد فی ذلك بل هو المتعین لکن لا یلزم من ذلك ان عمرو بن مرة أخذ هذا الحدیث عن هلال عن زیاد عن وابصة کما توهم.

پھر مولانا نے اس فقیر کا یوں شکریہ ادا کیا ''ہم آپ کے بہت ہی مشکور ہیں کہ آپ نے اس قسم کے مذاکرات علمیہ پیش کر کے قوم میں ایک علمی بیداری پیدا کی''۔

اس فقیر نے وہ تحریر ''مذاکرۂ علمیہ'' کے طور پر پیش نہیں کی تھی وہ تو صرف ایک استفسار کا جواب تھا جس پر جناب نے تعاقب فرمایا۔ مذاکرۂ علمیہ کا عنوان مدیر ''مصباح'' نے قائم کیا ہے۔ اور دو ایک استفسارات کے جوابات سے قوم میں کیا بیداری ہوگی؟ ہاں جناب کے تعاقب کی مندرجہ ذیل عبارت سے شائد قوم کو کچھ غیرت آجائے اور لوگوں میں کچھ بیداری پیدا ہوجائے آپ فرماتے ہیں ''آہ آج علمی مذاق علماء اہلحدیث میں فن حدیث کے متعلق نہیں رہا، اکثر ہمارے مدرسین کی تعلیم سطحی ہوتی ہے مفہوم کتاب کو نہیں سمجھتے ہیں'' مولانا! لکھتے وقت آپ کو خیال نہ رہا آپ سوچئے کہ یہ کیا کچھ لکھ گئے ہیں عام مدرسین اہلحدیث کے متعلق یہ محکمانہ فیصلہ فرما کر کہ ان کی تعلیم سطحی ہوتی ہے اور وہ مفہوم کتاب کو نہیں سمجھتے ہیں، آپ نے کس کو تقویت پہنچائی ہے؟ مقلدین کو انکے طعنوں اور ہفوات کی تصدیق فرما کر ہمیشہ قائم رہنے والی ایک دستاویز دیدی ہے۔ انا للہ الخ۔ جناب نے اخبار اور رسالہ کو بھی درسگاہ سمجھ لیا کہ طلبہ کے سامنے درسگاہ کے اندر زبان پر جو کچھ آیا کہتے گئے اسی طرح اخبار اور رسالہ میں بھی لکھتے چلے گئے اور انجام پر غور نہیں کیا۔ اس کی شکایت مدیران ''الھدی'' و ''مصباح'' سے بھی ہے کہ انھیں بھی اس کا احساس نہیں ہوا اور انکو بھی اپنی صحافتی واجتماعی ذمہ داری کا خیال نہ رہا۔ آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ تنقید محض نصحاً لطلبة العلم ونصحاً للجماعة لکھی گئی ہے، مولانا کھنڈیلوی یا اور کسی بزرگ کو اس میں کچھ تلخی محسوس ہو تو معاف فرمائیں گے کہ بالقصد تلخی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے، عفا الله عنی وعن سائر المسلمین۔

☆☆☆

نیت

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری سلفی
بھوارہ، مدھوبنی

علمائے سلفؒ سے منقول ہے کہ ''نیت عمل سے بھی بہتر ہے'' اور وہ اس طرح کہ کسی نیک کام کی نیت پر عمل کئے بغیر بھی ثواب ملتا ہے لیکن عمل پر نیت کے بغیر ثواب نہیں ملتا، اور فی الواقع نیت کے تعلق سے یہ انتہائی عظیم اور نفیس بات ہے کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے نیت کا مقام عمل سے بڑھ کر ہے، اس کی ایک وضاحت اس مشہور ومعروف اور صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ بندہ مومن جب کسی نیک کام کا ارادہ کرتا ہے پھر اسے عملا بجا بھی لاتا ہے تو اس کا ثواب ایک سے دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ملتا ہے، لیکن نیت کرنے کے باوجود اگر عمل نہیں کر پاتا تو بھی محض نیت کی برکت وعظمت کے سبب اس کے نامۂ عمل میں کچھ ثواب ضرور لکھ دیا جاتا ہے، بات اتنی ہی نہیں وہ عمل جس پر ثواب ایک سے کئی گنا ملتا ہے وہ نیت کے بغیر نہیں ملتا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث ہے جو اسلام کی اصولی اور جامع ترین احادیث میں سے ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''عملوں کا دارومدار نیت پر ہے''، بات واضح ہے کہ عمل کا مردود ومقبول اور مثاب ہونا نیت ہی پر منحصر ہے، نیت کی عظمت وحقیقت کو علمائے سلفؒ نے مزید واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عمل کے مقابلہ میں نیت میں زیادہ گنجائش اور وسعت وسہولت ہے، آدمی یہ نیت کرسکتا ہے بلکہ کرتا ہے، اس کی تمنا اور آرزو ہر کسی مسلم بندہ کو ہوتی کہ ساری زندگی اللہ کی فرماں برداری کروں گا، نافرمانی ذرا بھی نہیں کروں گا، نماز وروزے اور دیگر فرائض وواجبات اور حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرنے کی کوشش کروں گا، ان سب پر عمل یقیناً بہت دشوار ہے، لیکن اگر اللہ کے علم میں نیت صحیح، سچی اور پرخلوص ہے تو یقیناً ثواب ملے گا۔

نیت کی اہمیت وعظمت کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ تھوڑا سا عمل ہو، مگر سچی نیت سے ہو خالص لابتغاء وجہ اللہ ہو تو وہ عمل مثاب ومقبول ہی کیا قیامت نجات کا سامان بن جائے گا اور اگر عمل عظیم سے عظیم تر ہو کثیر وبے پناہ ہو لیکن نیت میں کھوٹ رہی ہو، ریا وشہرت اور دنیا طلبی رہی ہو تو اللہ کے یہاں یہ عمل سامان نجات یا مقبول ومثاب تو بہت دور کی بات ہے وہ عمل عظیم اور اعمال کثیر تباہی وبربادی اور دخول جہنم کا باعث بن جائے گا، نیت کی یہ عظمت کیا کم ہے کہ اگر یہ خالص اور سچی ہو تو وہ صاحب عمل کثیر وعظیم کے عمل وثواب کے برابر تک درجہ ومقام عنداللہ حاصل کرلیتا ہے، اس کی ایک مثال وہ حدیث صحیح ومعروف ہے جو ابوعبداللہ بن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شریک تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو تمہارے ساتھ تمہارے ہر کام میں اور ہر جگہ موجود رہے، وہ مدینہ میں اپنی بیماری اور عذر کے باعث رک گئے (مگر دل اور سچی نیت کے اعتبار سے وہ تمہارے ساتھ ہیں) یعنی وہ محض نیت صحیح اور خالصہ کے سبب جہاد جیسے عمل عظیم میں شامل نہ ہوکر بھی مثاب وفائز المرام ہوئے۔

نیت اگر صحیح اور سچی ہوتو بہر ایک ذرۂ محض عمل آفتاب و ماہتاب سے بڑھ کر ہے، بلکہ عدم محض عمل بھی عمل عظیم و کثیر ہے، اسی طرح نیت اگر بُری ہو منفی اور غلط ہوتو آدمی محض نیت بد کے باعث عمل سوء کا مرتکب نہ ہوتے ہوئے بھی، بدترین عمل کا مجرم گردانا جاسکتا ہے، حضرت ابو بکرہ نفیع بن الحارث الثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں تلوار کے ساتھ مقابلہ آراء ہوتے ہیں تو قاتل و مقتول دونوں جہنم میں جاتے ہیں (یعنی اگر لڑائی میں ایک مارا گیا تو قاتل کی طرح مقتول بھی جہنم میں جائے گا) صحابہ ؓ کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ یہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مقتول بھی تو اپنے بُرے ارادے اور غلط نیت کے ساتھ دوسرے مسلمان کے قتل کا حریص و متمنی تھا، لہذا وہ عمل سوء نہ کر کے بھی بری نیت کے سبب اس کا مجرم اللہ کے یہاں گردانا جائے گا۔

نیت کے تعلق سے علمائے سلف ؒ کی یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نیت کا تعلق دل سے ہے جو اللہ کی معرفت کا مرکز اور اعمال کا تعلق اعضاء سے ہے، اس لئے نیت افضل ہے، اسی سے لگتی بات سماجی زندگی میں عرف عام کی طرح معروف و مقبول ہے کہ نیت گُنے برکت، آدمی کی زندگی میں کیا جانے والا ہر عمل و حرکت اور جد و جہد نیت کے مطابق اپنا رنگ و اثر دکھاتی ہے، ایک خاندان میں دو بھائی یا کئی بھائی ہیں ایک کا اپنے دوسرے بھائی یا بھائیوں کے تعلق سے دل صاف اور نیت خالص و صحیح ہوتی ہے جبکہ دوسرے منفی دل کے ساتھ بُرے ارادے اور نیت کے ساتھ جیتا ہے، دونوں کی زندگی کے رنگ و اثر میں نمایاں فرق نظر آئے گا، سماجی زندگی میں بغیر تلاش و جستجو کے اس کی مثالیں مل جاتی ہیں، ناچیز اپنے محلّہ میں ہی ایسی کتنی فیملی کو جانتا ہے اور ان کی زندگی میں جو نمایاں فرق ہے وہ دن کے اجالے کی طرح نمایاں اور صاف شفاف ہے، دل کے صاف اور نیت و ارادہ کے نیک شخص کی زندگی میں جو سکھ چین اور عزت و کامرانی ہم دیکھتے ہیں وہ بری نیت کے مارے شخص سے کوسوں دور ہی نہیں وہ مسائل و مشکلات کے بوجھ تلے ہمہ دم نظر آتا ہے، بری نیت سے کبھی اس نے مشترکہ فیملی میں جائداد میں خرد برد کر کے، خفیہ طور پر نقدی اور زیورات کو دبا کر اور دوسری چیزوں کو غصب و تلف کرنے کے باوجود وہ آج تلاش محض ہی نہیں ہر طرح کی پریشانیوں کا شکار ہے جبکہ دوسرا نیک دل پاک نیت شخص بہت سارے حقوق سے محرومی کے باوجود الحمدللہ بہت شاداں و فراحاں ہے۔

یہ چند باتیں تو نیت کے تعلق سے وہ ہیں جو علمائے سلف ؒ نے اختصار کے ساتھ اس کی عظمت و اہمیت کے تعلق سے بیان کی ہیں، تجربات و مشاہدات بھی نیت کی برکت پر گواہ ہیں جہاں تک کتاب و سنت کی بات ہے اس تعلق سے بہت ساری باتیں موجود ہیں، چند حدیثیں سرسری طور پر نگاہ میں رکھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سچے ارادہ سے کیا گیا معمولی سے معمولی عمل بھی قیامت کے دن نجات کا ذریعہ بن جائے گا جیسا کہ ایک طوائف نے پیاسے کتے کو پانی پلا دیا، اللہ کو اس کا عمل بہت پسند آیا، وہ جنت میں گئی، ایک شخص نے راستہ سے اس گرے درخت کو ہٹا دیا جو راہی مسافر کے لئے باعث پریشانی تھا، اللہ نے اس کو اس کے عمل خالص کے بدلے میں جنت عطا کیا، ایسا عمل خالص صرف آخرت ہی نہیں دنیا میں بھی بڑی سے بڑی مصیبتوں سے نجات کا سامان بن جاتا ہے، صحیحین کی معروف حدیث ہے کہ گذشتہ امتوں میں سے کسی امت میں تین شخص سفر

پر روانہ ہوئے، راستہ میں شدید بارش کے سبب ایک غار میں چھپ گئے، اسی اثناء میں غار کا دروازہ ایک پتھر کے آجانے کے سبب وہ لوگ اس میں بند ہو گئے، اس عظیم مصیبت سے بچنے کا ان کو کوئی سامان نظر نہ آیا تو آخر میں ان تینوں نے اپنی اپنی زندگی میں اس عمل کا واسطہ اللہ کو دیا جو اس نے کبھی سچی نیت اور پاک ارادے سے کیا تھا، پھر کیا تھا اللہ نے ان تینوں کو اس عظیم مصیبت سے نجات دے دی، صحیحین میں ایک حدیث قدسی میں ہے کہ جو کوئی بندہ نیک کام کرنے کا سچا ارادہ کرتا ہے پھر اس کو نہیں کر پاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالی اس کے نامۂ اعمال میں پوری نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے، اور اگر سچے ارادہ ونیت کے بعد اس عمل کو کرتا ہے تو اس کا ثواب دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا ثواب عطا کرتا ہے.....الخ، اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے ہر عمل کو خالص اللہ کی رضا کے لئے کرے، تھوڑا ہی کرے مگر سچے ارادہ ونیت سے کرے، بصورت دیگر اس کا خمیازہ بہت برا ہوگا، اہل علم ودولت کے تعلق سے یہ بات اور بھی اہم اور نازک ہے، آج کے دور میں جہاں مادیت وشہرت طلبی امراء کے ساتھ علماء میں بھی عام ہے، انہیں ہوش کے ناخن لینا چاہئے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالی ہمیں اس کی توفیق عطا کرے، آمین۔

☆☆☆

حفظ قرآن، حفظ حدیث، اسلامی معلومات برائے کل جنوبی ہند
ومقالہ نویسی برائے کل ہند انعامی مسابقہ

شہر بنگلور میں مقالہ نویسی حفظ قرآن، حفظ حدیث واسلامی معلومات کا مسابقہ منعقد ہو رہا ہے، مقالہ نویسی کا مقابلہ مدارس اسلامیہ کے طلبہ وطالبات کے لیے کل ہند ہے جبکہ بقیہ مسابقے جنوبی ہند کی ریاستوں کرناٹک، گوا، آندھرا پردیش، کیرالا اور تمل ناڈو کے اسکولوں میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کے لیے ہیں، ان مقابلوں میں انعامات کی مجموعی رقم دو لاکھ سے زائد ہے۔ مقابلہ ۱۰ر دسمبر ۲۰۱۱ء کو ہوگا، تفصیل جاننے کے لیے رابطہ کریں:

CENTER FOR ISLAMIC STUDIES
#1/5, Masjid-e-Munawwara Complex, North Road,
Cooke Town, Banglore - 560084
Email: kulliyatulhadeeph@gmail.com,
Mobile: 07899652588 / 09448183516

فضائل عشرۂ ذی الحجہ واحکام قربانی

مولانا محمد اسلم مبارک پوری مدنی

اسلام دین فطرت اور مکمل ضابطۂ حیات ہے، اس نے شعبہائے زندگی میں اپنے ماننے والوں کی مکمل راہنمائی کی ہے اور فطرت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ انسان کو خوشی کے ایام، مسرت کے اوقات اور شادمانی کے لمحات میسر ہوں جن میں وہ کیف وسرور، خوشی وانبساط، مسرت وشادمانی، اخوت ومحبت، مروت ومودت، اتحاد واتفاق اور وحدت واجتماعیت کا مظاہرہ کر سکے، اسی تقاضے کی تکمیل کے لئے مولائے کریم نے مسلمانوں کے لئے خوشی ومسرت کے دو دن مقرر کئے ہیں، ایک عید الفطر کا دن اور دوسرا عید الاضحیٰ کا دن ہے۔

ذیل کی سطور میں عشرۂ ذی الحجہ اور قربانی کے مختصر احکام نصوصِ کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کے جارہے ہیں، یہاں یہ بیان کردینا بے جا نہ ہوگا کہ سب سے عظیم چیز جس کا قربانی اور دیگر اسلامی عبادات میں خیال رکھنا ضروری ہے وہ ہے ''اخلاص''، یعنی ہماری قربانی اللہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہو نہ کہ شہرت طلبی کے لئے۔

عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت:۔ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مامن أيام العمل الصالح فيهن أحب إلى الله من هذه الأيام يعنى أيام العشر،قالوايارسول الله!ولاالجهاد فى سبيل الله؟قال:ولاالجهاد فى سبيل الله،إلارجل خرج بنفسه وماله ،ثم لم يرجع من ذلك بشئى۔(رواه أحمد ١/ ٢٢٤)واللفظ له ، والبخاري٩٦٩)بمعناه

عمل صالح کے لئے ماہ ذوالحجہ کے ابتدائی دس ایام اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا، اے اللہ کے رسول! کیا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی اتنا محبوب نہیں، سوائے اس کے کہ انسان اپنی جان ومال کے ساتھ نکلے اور پھر کسی بھی چیز کے ساتھ واپس نہ لوٹے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أفضل أيام الدنياأيام العشر،يعنى :عشر ذى الحجه ،قيل:ولامثلهن فى سبيل الله ؟قال:ولامثلهن فى سبيل الله إلارجل عفّر وجهه فى التراب ''رواه البزار كمافي كشف الأستار (٢/ ٢٨ح١١٢٨)وقال الهيثمى :إسناد البزارحسن،ورجاله ثقات ،ونحوه ابن حبان(١٠٤٥،موارد)وصححه الألبانى في صحيح الترغيب والترهيب(١١٥٠)

دنیا کے سارے ایام کے مقابلے میں عشرۂ ذی الحجہ سب سے زیادہ افضل ہیں، آپ سے استفسار کیا گیا کہ اگر اتنے ہی دن جہاد فی سبیل اللہ کے لئے گزارے جائیں تو وہ بھی ان کے برابر نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ میں گذرے ہوئے دن بھی ان جیسے نہیں سوائے اس شخص کے کہ جو شہید ہو جائے،

دیگر مہینوں کے مقابلہ میں ماہ ذی الحجہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، تکبیر وتہلیل، تسبیح وتحمید میں اپنے قیمتی اوقات صرف کرنا چاہئے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنھما ذی الحجہ کے دس دنوں میں بازار جاتے تو وہاں بھی تکبیر کہتے تھے، اور ان کی تکبیریں سن کر دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے تھے، تکبیرات کا آخری وقت تیرہ ذی الحجہ کے اخیر تک ہے، تکبیر کہنے کیلئے نماز کے بعد ہی کا وقت مخصوص نہیں ہے جب بھی ہو سکے کہنا چاہئے، خصوصاً یوم عرفہ کی نماز فجر سے لیکر تیرہ ذی الحجہ کی عصر تک اس دوران ہر فرض نماز کے بعد جہراً تکبیرات پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے، ان پانچ ایام میں فرائض کے بعد تکبیرات کا پڑھنا عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سمیت متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے ثابت ہے، (ارواء الغلیل ۳/۸۲۵ للألبانی رحمہ اللہ،) تکبیر کے الفاظ یہ ہیں: الله أكبر، الله أكبر، لا إله إلا الله، والله أكبر، الله أكبر، ولله الحمد۔

صوم یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) کی فضیلت:

ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو ''عرفہ'' کہا جاتا ہے، اس دن روزہ کی بڑی فضیلت ہے، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ''سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن صوم يوم عرفة؟فقال :يكفر السنة الماضية، والأتية'' رواه مسلم (١١٦٢ و أبوداود (٢٣٢٥) وغيرهما

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن کے روزہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

عشرۂ ذی الحجہ میں بال کاٹنا اور ناخن تراشنا:

ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد بال کاٹنا اور ناخن تراشنا ممنوع ہے، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنھا بیان فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إذا رأيتم هلال ذي الحجه و أراد أحدكم أن يضحي، فليمسك عن شعره و أظفاره، رواه مسلم (١٩٧٧) جو شخص ذی الحجہ کا چاند دیکھے اور قربانی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنا بال اور ناخن نہ کٹوائے۔

قربانی کا جانور کیسا ہو؟:

قربانی کے لئے جانور کا انتخاب کرتے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ جانور خوب صورت، تندرست، بے عیب اور اچھے قد وقامت والا، موٹا تازہ، نیز وہ دانتا (مسنہ) ہو، بغیر دانتے جانور کی قربانی نہیں کرنا چاہئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''لا تذبحوا إلا مسنة، إلا أن يعسر عليكم، فتذبحوا جذعة من الضأن'' رواه مسلم

(۱۹٦۳) وأبوداود (۲۷۹۷) صرف دانتے جانوروں کی قربانی کرواگر یہ میسر نہ ہوتو ایک سال کا دنبہ ذبح کرو،

قربانی کے جانور کا خوب صورت اور موٹا ہونا سنت ہے:

امامہ بن سہیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''كنانسمن الأضحية بالمدينة،وكان المسلمون يسمنون'' ذكره البخارى (۱۱/۱۰قبل حديث ۵۵۵۳) وانظر: مختصر صحيح البخاري للألباني (۴۶۲/۳) ہم مدینہ میں قربانی کے جانوروں کو موٹا کرتے تھے اور (تمام) مسلمان بھی موٹا کرتے تھے۔

ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''إن النبي صلى الله عليه وسلم كان إذاضحّى،اشترىٰ كبشين سمينين'' مجمع الزوائد (۲۱/۴-۲۲)والفتح الرباني(۶۱/۱۳)وسكت عنه الحافظ في التلخيص، وقال الهيثمى في المجمع إسناد أحمد والبزار حسن، نبی ﷺ جب قربانی کا ارادہ فرماتے تو دوموٹے تازے صحت مند مینڈھے خریدتے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''أمر رسول الله عليه وسلم بكبش أقرن،يطأ في سوادٍ ،ويبرك في سوادٍ ،وينظرفي سوادٍ ،فأتى به ليضحى به ''رواه مسلم (۱۹٦۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگ والے مینڈھے کا حکم دیا، جس کے پیر، پیٹ اور آنکھوں کے قریب کا حصہ کالا تھا، چنانچہ اسے قربانی کے لئے آپ کے پاس لایا گیا (اور اس کی قربانی کی)، نیز قربانی کا جانور عیوب سے پاک ہونا چاہئے لنگڑا، بھینگا پن، انتہائی لاغر یا بیمار نہ ہو، براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أربع لا تجوز في الأضاحي،العور بيّن عورها،والمريضة بيّن مرضهاوالعرجاء بيّن ظلعها،والكبيرالتى لاتنقي'' رواه أبوداود (۲۸۰۲) والترمذى (۱۴۹۷) وصححه الألباني في الارواء (۱۱۴۸)

قربانی میں چار قسم کے جانور جائز نہیں:

وہ جانور بھینگا ہو، اور اس کا بھینگا پن بالکل واضح ہو، وہ جانور جو مریض ہو اور اس کی بیماری بالکل عیاں ہو، وہ جانور جو لنگڑا ہو، اس کا لنگڑا پن بالکل نمایاں ہو، اور وہ انتہائی لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

قربانی کے ایام:

قربانی اگرچہ پہلے دن کرنا افضل ہے، لیکن اس کی اجازت چار دن تک ہے یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ذی الحجہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تشریق کے تمام دنوں میں قربانی جائز ہے۔

''كل أيام التشريق ذبح ''رواه أحمد (۸۲/۴) وصححه الألبانى في صحيح الجامع (۴۵۳۷) تشریق کے تمام دن ذبح (قربانی) کے دن ہیں۔

سارے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ایام تشریق میں ۱۳ ذی الحجہ شامل ہے، بنابریں ۱۳ ذی الحجہ کہ شام تک قربانی

جائز ہے،شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اختیارات میں فرماتے ہیں :قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دن ہے،الاختیارات ص۲۱۳،امام شافعی اور دیگر علماء کا بھی یہی موقف ہے،شرح مسلم ۱۲۸/۷ نیل الاوطار ۴۹۰/۳۔

قربانی کا گوشت:

قربانی کا گوشت آدمی خود کھائے ،اور اہل وعیال کو کھلائے دوستوں ،رشتے داروں ، پڑوسیوں ،غریبوں ،مسکینوں ، اور سائلوں کو بھی دے ،غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے ،اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے :"فكلوامنها وأطعموا البائس الفقير ''(الحج :۲۸)اس میں سے خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیروں کو بھی کھلاؤ ،دوسری آیت میں ہے''فكلوا منها وأطعموا القانع والمعتر ''(الحج:۳۶)اس سے خود کھاؤ اور مسکین سوال سے رکنے والوں ،اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''كلوا، وادخروا، وتصدقوا''رواه البخاری (٥٥٦٩)ومسلم (١٩٧١) قربانی کا گوشت کھاؤ ،اور ذخیرہ کرو،اور صدقہ کرو،دوسری حدیث میں ہے:''كلوا من لحم الأضاحي ما بدا لكم وتزودوا وادخروا''رواه النسائي(٧/ ٢٣٥)ومسلم بلفظ:''فامسكوا ما بدا لكم''قربانی کے گوشت سے جتنا ہو سکے کھاؤ اور توشہ بناؤ اور ذخیرہ اندوزی بھی کرو،لیکن ذخیرہ اندوزی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فریز میں سارا کا سارا ہی ذخیرہ کرلیا جائے اور غریبوں ومسکینوں کو نہ دیا جائے بلکہ انھیں اور دوسروں کو دینا چاہئے۔

قربانی کا گوشت بیچنا،ذبح کرنے اور کھال اتارنے والے کو اجرت میں دینا جائز نہیں ہے ،اسی طرح قربانی کی کھالیں فروخت کرکے ان کی قیمت اپنے مصروف میں لانا بھی جائز نہیں ہے،یا تو انھیں اپنے استعمال میں لایا جائے ،یا صدقہ کردیا جائے ،حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں آپ ﷺ کی قربانیوں کے پاس رہ کر نگرانی کروں اور ان کے گوشت ،ان کی کھالیں اور کی جھولیں صدقہ کردوں اور ان میں سے کوئی چیز قصاب کو بطور مزدوری نہ دوں،(بخاری ۱۷۱۷،مسلم ۱۳۱۷)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''من باع جلد أضحيته فلا أضحية له''رواه الحاكم وحسنه الألباني في صحيح الترغيب والترهيب (١٠٨٨) جو شخص اپنی قربانی کی کھال بیچے،اس کی قربانی نہیں ہے۔

☆☆☆

اخلاق وکردار، اہمیت وفوائد

سعید الرحمٰن عبد المجید

اسلام ایک کامل ومکمل دین ہے جس نے تمام دنیائے انسانیت کے ہر امور کی رعایت وپاسداری کی ہے اور اپنے ماننے والوں کو اپنی روشن تعلیمات سے روشناس کرایا ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے چاہے وہ عقائد وعبادات سے تعلق رکھتے ہوں یا معاملات وعادات واطوار سے تعلق رکھتے ہوں ہر ایک کی جانب مکمل توجہ دی ہے اور اپنی منزل من اللہ تعلیمات کی روشنی میں تمام مسلمانوں کو اپنی حیات مستعار کو گزارنے کا حکم دیا ہے اسلام نے عقائد وعبادات اور معاملات کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار عادات واطوار طرز واسلوب زندگی کی جانب بھی توجہ دی ہے اور اپنے ماننے والوں کو حسن اخلاق سے آراستہ ہونے کی ترغیب دلائی ہے حسن اخلاق انسانیت کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز ہے اگر انسان اخلاق وعادات کے اعتبار سے ممتاز نہیں ہے اس کے عادات واطوار وکردار وعمل میں عمدگی نہیں ہے تو گویا وہ اعلی معیار کا انسان نہیں ہے اللہ نے قرآن میں بے شمار مقامات پر مکارم اخلاق واچھے کردار وعمل کی اہمیت بیان فرمائی ہے اور پوری انسانیت کو اخلاق وکردار میں اعلیٰ واکمل ہونے کی رہنمائی کی ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم حسن اخلاق وبہترین کردار وعمل کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی ہے اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''وَلَا تُجَادِلُوا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُم وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (العنکبوت ۴۶/) اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ نہ کرو مگر اس طریقہ پر جو عمدہ ہو مگر ان کے ساتھ جو ان میں ظالم ہیں اور صاف اعلان کردو کہ ہمارا تو اس کتاب پر بھی ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی ہے اور اس پر بھی جو تم پر اتاری گئی ہے ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ہم اس کے حکم بردار ہیں (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اس آیت مبارکہ کے اندر اللہ تعالی نے حسن اخلاق اور بہترین کردار وعمل کی تعلیم دی ہے کہ اگر تمہارا بحث ومباحثہ مسلمانوں کے سوا اہل کتاب یا کسی اور قوم سے ہو جائے تو بحث ومباحثہ میں ان کے ساتھ اچھے اخلاق وبہترین کردار کا مظہر بنو، اس لئے کہ اچھا اخلاق ان کو آپ کا گرویدہ بنا دے گا۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے ''وَقُلْ لِعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا (الاسراء/ ۵۳) اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیوں کہ شیطان آپس میں فساد ڈالتا ہے بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے (ترجمہ مولانا محمد جونا گڈھی)

اس آیت مبارکہ کے اندر اللہ رب العالمین نے اپنے بندوں کو درست اور اچھی بات منہ سے نکالنے کی تعلیم دی ہے کیوں کہ جب اللہ کے تمام بندے آپس میں ایک دوسرے سے اچھی بات بولیں گے تو ان کا یہ انداز ان کے مابین خوشگوار تعلقات کا ذریعہ ہوگا اور ایک صالح وبہترین معاشرہ تشکیل پائے گا۔

ایک اور مقام پر اللہ رب العالمین حسن اخلاق وبہترین کردار وعمل کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتا ہے''وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَاالسَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِی هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَاالَّذِی بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِيمٌ "(حم السجدة: ٣٤) نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست (ترجمہ مولانا محمد جونا کڈھی)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی نے بھلائی اور برائی کے درمیان فرق کی وضاحت فرمائی ہے اور اس بات کی رہنمائی کی ہے کہ برائی کا دفع برائی سے نہ کرو بلکہ بھلائی سے دفع کرو اگر اسی طرح آپ کا انداز رہا اور برائی کا دفع بھلائی سے کرتے رہے تو صدیوں پرانی دشمنی گہری دوستی میں تبدیل ہو جائے گی، برائی کا دفع بھلائی سے کرنا حسن اخلاق میں سے ہے اس کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جو اخلاق فاضلہ وعادات کریمہ سے مزین ہو،

اسی طرح احادیث کے اندر بھی بہترین اخلاق وکردار سے آراستہ ہونے کی تعلیم دی گئی ہے خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:''انما بعثت لا تمم مكا رم الاخلاق ''(رواہ الحاکم وقال ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی) میں بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں

ایک دوسری حدیث کے اندر بہترین اخلاق وکردار کو نیکی قرار دیا گیا ہے''البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وكرهت ان يطلع عليه النا س (رواہ مسلم) بھلائی اور نیکی بہترین اخلاق کا نام ہے اور برائی وہ ہے جو تیرے سینے میں کھٹکے اور تو ناپسند کرے کہ لوگ اس کو جانیں۔

اس طرح ایک حدیث کے اندر بہترین اخلاق وکردار کو جنت میں دخول کا سبب قرار دیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سوال کئے گئے کہ کون سی ایسی چیز ہے جو سب سے زیادہ لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی آپ ﷺ نے فرمایا''تقوى الله وحسن الخلق ''اللہ کا ڈر، اور بہترین اخلاق، (رواہ الترمذی وقال صحیح)

ان آیات واحادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کے اندر اخلاق وکردار کی بہت اہمیت ہے اور اس سے آراستہ وپیراستہ ہونا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور اس میں اسکی دنیوی واخروی کامیابی وبھلائی ہے

اخلاق حسنہ کے فوائد: اچھے اخلاق وکردار کے بہت سے دنیوی واخروی فوائد ہیں۔

اچھے اخلاق وکردار سے لوگوں کے مابین دوستی اور قربت قائم ہوتی ہے، لوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، حسن اخلاق اور بہترین کردار وعمل بندہ کو اللہ تعالی سے قریب کرتا ہے جب بندہ مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتا ہے تو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں اسی طرح حسن اخلاق اور بہترین کردار وعمل رفع درجات کا باعث ہے، حسن خلق کے ذریعہ ایک امتی اللہ کے رسول کا محبوب قیامت میں آپ سے قریب رہے گا اسی طرح بہترین اخلاق دشمن کو دوست میں تبدیل کر دیتا ہے، لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ بہترین اخلاق وکردار کا حامل ہو اسکی زندگی لوگوں کے لئے مشعل راہ ہو ۔اللہ تعالی ہم سب کو با اخلاق بنائے، آمین۔☆☆☆

جدید عربی اَدب اور طلبۂ مدارس

راشد حسن فضل حق مبارکپوری

عربی زبان ادب اپنی ہمہ گیری، ہمہ جہتی، وسعت وتنوع، پرکشش اسلوب بیانی، بے پناہ جاذبیت، جمالیاتی مقناطیسیت اور معنوی گیرائی کے حوالے سے عالمی وبین الاقوامی اعتبار ووقار حاصل کرچکی ہے اس زبان کا ایک ایک لفظ ہزار ہا معانی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس کے ایک ایک کلمہ سے بے شمار اشتقاقات نکلتے ہیں، اور پھر ان سے بلاغت ومعانی کا سیل رواں جاری ہوجاتا ہے، عربی زبان کے ساتھ جو تبدیلی زمان ومکان انقلاب وتہذیب وتمدن کو بھی اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی، وقت کے ساتھ اسکی خوبیاں ورعنائیاں نکھرتی چلی جارہی ہیں، عالمی زندہ زبانوں میں ایسی خصوصیات کی حامل زبان کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

اس میں شک نہیں کہ جدید عربی ادب میں جونئی بیداری آئی ہے، اس کا تعلق مصر کے انقلابی ادوار سے ہے، مسلسل چار صدیوں کے مختلف انقلابات نے مصر کی تاریخ میں غیر معمولی انقلاب برپا کردیا، وہاں کے عوام میں علمی، فکری وثقافتی سرگرمیوں کا ایک سلسلہ قائم ہوا، اور ادباء علوم وفنون کو پروان چڑھانے میں لگ گئے،...، مصر پر تین صدیوں تک ترکیوں کے تسلط نے وہاں سے علم وہنر کا جنازہ نکال دیا تھا، خصوصاً عربی زبان وادب زندگی کی آخری سانسیں لے رہا تھا، اس کی امیدوں کا ٹمٹماتا چراغ ''جامعہ ازہر'' تھا، لیکن قدرت کو اس زوال کے ذریعہ اس طویل تاریکی کی کسی صبح نو کا مژدہ سنانا تھا(۱) اس وقفہ میں فصیح عربی سے ناواقفیت اور عامی زبان سے وابستگی کا اندازہ اس دور کے دوشعر سے لگایا جاسکتا ہے:

النيل في مصر أوفى في تو ت حا دى وعاشر
والناس قد أرّخوه لله جبر الخوا ظر (۲)

اس شعر میں شاعر نے کچھ بھی نہیں کہا، سوائے اس کے کہ وہ تاریخ متعین کردی، جس میں ''نیل'' نے وفا کی، ۱۸ویں صدی کے اواخر اور ۱۹ویں صدی کے اوائل میں فرانسیسی استعمار نے جب اپنا تسلط قائم کیا، تو اس وقت مصر کی زمین بدل گئی، جہالت کے افق پر علم کا نور نمودار ہوا، دراصل یہ نیپولین کے ساتھ آئی ایک جماعت کے جانب سے انجام دیا جانے والا فکری وعلمی کارنامہ تھا، انہوں نے لوگوں کو علم وتہذیب کے ذریعہ اپنی طرف مائل کرنا چاہا، مدارس قائم کئے، جرائد کا اجراء کیا، اسٹیج پر ڈرامے دکھائے گئے، اسی دوران ''محمد علی'' البانیہ سے آیا، اس نے مصر آکر علم وتہذیب کا گہرا جائزہ لیا، پھر اسکی علمی وفکری جفا

(۱) ترکی کی جانب سے علمی پامالی کی داستان، ملاحظہ کیجئے: بدائع الزهود/لابن ياس وتاريخ الحركة القومية/لعبد الرحمان الرافعي (۴۲/۱-۴۳) وتطور الادب الحديث في مصر، د/أحمد هيكل (ص:۷ ومابعدها)
(۲) انظر: عجائب الآثار/للجبرتي (۳۰/۱)

کشی وجاں فشانی سے مدارس، مجلّات اور طباعتی امور میں برق رفتاری سے ارتقا ہوا، اس نے اعلیٰ تعلیم کے لئے طلبہ کو مغرب بھیجا ،یہیں سے مصر ومغرب کے مابین ثقافتی رابطے کا آغاز ہوا۔(۱)

اس دور کی ابتداء میں عربی طرز تحریر کے دو مراجع تھے،''مقامات حریری'' جو کہ خشکی اور تصنع کی اعلیٰ مثال ہے، دوسرے ''مقدمہ ابن خلدون'' جس کا اسلوب فطری ومحکم تھا، لہذا جدید مدارس کے فارغین نے مقدمہ ابن خلدون کے اسلوب سے استفادہ کیا، ان میں قاسم امین، فتحی زغلول، لطفی السید وغیرہم ہیں، پھر دوسرا منفرد بدیعی اسلوب رجال دارالعلوم میں شیخ ہمزہ فتح اللہ، توفیق البکری، حفنی ناصف وغیرہم کا تھا، لیکن ان کے اسلوب میں تکلف وتصنع اور محاکات میں بے جا اسراف کے مظاہر تھے، تیسرا طریقہ لبنانی عرب انشا پردازوں کا تھا، جس میں فکری تنوع ضرور تھا، لیکن ساتھ میں رکاکت وتساہل، غیر عربی الفاظ وعجمیت کا خاصا دخل تھا چنانچہ اس کے ردعمل کے طور پر چوتھا رجحان معرض وجود میں آنا ناگزیر تھا، جسکا اسلوب خالص عربی ہو، جس میں گذشتہ تمام لسانی وفکری نقائص کی تلافی کئی گئی ہو، جو جدید تہذیب وتمدن سے ہم آہنگ ہو، چنانچہ اسلوب کی یہ خصوصیت منفلوطی کی نثر اور بارودی کی نظم میں نمایاں ہوئی، پھر ادباء وانشا پردازوں کی ایسی جماعت وجود پذیر ہوئی، جس نے قدیم مشرقی تہذیب وجدید مغربی تمدن سے بیک وقت استفادہ کیا، اور پھر اس اسلوب میں جلا، زندگی وتابندگی دی، ان ادباء میں منفلوطی، بشری، رافعی، مازنی، عقاد، وغیرہ سرفہرست ہیں،(۲)....ہماری گفتگو کے محور دراصل یہی ادباء ہیں۔

انیسویں صدی کے خاتمہ اور بیسویں صدی کے آتے آتے جدید عربی ادب میں دو مکاتب فکر نے عروج کی راہیں طے کیں، پہلا مکتب فکر مصطفیٰ لطفی منفلوطی اور ان کے رفقاء کا تھا جہاں فصاحت وبلاغت کے دو بدو الفاظ وکلمات کا طرب وغنا وموسیقیت اور عبارتوں کی گھن گرج تھی مگر معانی کی طرف توجہ کم تھی، اس لئے ''المازنی'' نے منفلوطی کو ''ضعف ثقافت'' اور ''لفظی تصنع کو زیادہ پیش نظر رکھنے'' کا طعنہ دیا، دوسرا مکتبہ فکر ''انصار جدید'' کا تھا، جہاں فکری گہرائی وتنوع ہے، جو کہ جدید تغیرات کے لئے خضر راہ ہے، جہاں اعتبار فکر ونگاہ کا ہے، پرشکوہ الفاظ کے ذریعہ عبارت آرائی نہیں ہے، اس رجحان کے حاملین میں مصطفیٰ صادق رافعی، طہ حسین، ہیکل، عقاد، مازنی وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے، اس وضاحت کے ساتھ رافعی اور ان کے معاصر دیگر ادباء کے اسالیب میں واضح فرق ہے، ذیل میں ان دونوں مکاتب فکر کے ایک ایک نمائندہ جائزہ لینا مناسب سمجھتا ہوں، تاکہ قارئین کے لئے ان کا فرق واضح ہوجائے، اور پھر ارجحیت کا اندازہ خود بخود ہوجائے۔

مصطفیٰ صادق الرافعی (۱۸۸۰ء-۱۹۳۸ء) طنطا ''مصر'' میں پیدا ہوئے، اصلاً شامی ہیں، حفظ قرآن مکمل کیا، درس نظامیہ کی ابتداء ہی میں تھے کہ وہ بالکل بہرے ہوگئے، اسی نے ان کو تمام چیزوں سے فارغ کر کے خالص مطالعہ اور تحقیق میں

(۱) انظر للتفصیل: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ/جرجی زیدان (۲۰-۲۱)، وتاریخ التعلیم فی عصر محمد علی/لاحمد عزت عبدالکریم (ص:۴۳۴، ۴۵۳)، وتطور الادب الحدیث فی مصر (ص:۲۶-۲۷)

(۲) انظر للتفصیل: تاریخ الادب العربی/للاستاذ حسن الزیات (ص:۹۹-۱۰۰) مطبوعہ جامعۃ سلفیۃ بنارس۔

منہمک کردیا، جس سے ان کی صلاحیت نکھر گئی، جنون کی حد تک ادب سے وابستگی کی وجہ سے قدیم وجدید نثر ونظم کا بڑا حصہ ضبط کرلیا، ادبی اسالیب ومناہج سے گہری واقفیت حاصل کی، اور اپنی بے پناہ جد وجہد اور کاوش پیہم سے قافلۂ ادب کے قائد بن گئے، رافعی کے اسلوب میں بلاغت ومعانی، حکمت وعقلیت، دل گداز لطیفے، سخت نقد اور لطیف طنز کا رنگ وآہنگ غالب ہے، یہاں تک کہ اس زمانے کے ادباء فن نے جب رافعی کا محکم اسلوب، الفاظ وتعبیر کی تنقیحی قوت، دقیق معانی کا استنباط اور دلکش تصویر کشی کی خداداد صلاحیت دیکھی، تو انہیں اپنی دور کا ''جاحظ'' قرار دیا، (۱) رافعی نے مختلف کتابیں تصنیف کیں، جن میں دیوان شعر (۳ جلدیں)، تاریخ آداب العرب (۲ جلدیں)، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، تحت رایۃ القرآن، رسائل الاحزان، علی الفود (اسمیں عقاد پر نقد ہے) المعرکۃ (اس میں طہٰ حسین پر تنقید ہے)، حدیث القمر، اَوراق الورد، وحی القلم، (۳ جلدیں) کافی اہمیت کی حامل ہیں،.... نمونہ کے طور پر ان کی ایک عبارت نقل کردینا مناسب ہے۔

''...........رأيت الدخينة في يد مرتكبها، وقدمها إليه صديقه، فأشعلها، كالهازئ بها، وهو حين إمتصّ دخانها، إمتصه عابثاً، وحينا أرسله ضباباً لاهياً حتى إذا ما رماها، أصبح هو في يدها بعد أن كا نت في يده، فلم يعد يطيق فراقها، فأن حاول ها جمته في كل قطرة من دمائه، ويضطر إلى العودة إليها، وهويردد "وداوني بالتي كانت هي الداء "..... فإذا فمه نتن ولسانه جاف قزر، وصدره متداع، وقلبه مضطرب، وإذا بدمه يحترق ......".(۲)

رافعی نے یہاں معاشرے میں سگریٹ نوشی کی تباہ کاریوں سے ڈرایا ہے، ایک شاندار مقدمہ میں پہلے سگریٹ نوشی کو دیکھنے، سگریٹ دوست کو پیش کرنے، جلانے اور دھواں اڑانے اور اسمیں استہزا کی کیفیت کی تصویر کشی کی ہے،....... پھر اچانک رافعی کا لہجہ تبدیل ہوجاتا ہے، یہاں ''أصبح هو في.... '' میں بڑی دقیق تعبیر ہے، اس میں اس پوری مدت کا بیان ہے کہ سگریٹ کے ساتھ اس نے مذاق کیا تھا، پھر اس کی عادت نے اسے نحیف ولاغر بنادیا، لہٰذا اب سگریٹ نوشی اس کے ہاتھ کا کھلونا بن گیا ہے، پھر سگریٹ نوشی ہی مرض کی دوا بن جاتی ہے'' وداوني.... ''، اور شدہ شدہ یہ عادت اسے تباہی کے دہانے پے لا کھڑا کرتی ہے، پھر آگے معاشرہ میں نوجوانوں کی یہ حالت دیکھ کر رافعی بے تاب ہوجاتے ہیں، اور بے باک خطیب کے انداز میں قوم کو خطاب کرتے ہیں، "أيها الشباب..." گویا رافعی معاشرے سے برائیوں کو ختم کرکے نوجونوں کو شاہیں صفت دیکھنا چاہتے ہیں، یہ ان کے ایمان ویقیں کا بین ثبوت ہے۔

ایک اور جگہ عید کے موضوع پر بچوں کی حقیقی خوشی کی تصویر کشی کرتے ہیں، اور فطری مناظر سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ تم سب اپنی ذات میں الگ الگ ہو مگر عید کے دن تمھاری تمام چیزیں بچوں کے اندر جمع ہوجاتی ہیں۔

---

(۱) انظر للتفصیل: مذکرۃ فی مادۃ الادب / للدکتور زید الجہنی (ص: ۷-۸)
(۲) من عبارات مصطفیٰ صادق الرافعی۔

أيتها الرياضُ المنورةُ بأزهارها　　　　أيتـهـا الطيـور المغردة بألحـانهـا
أيتها الأشجار المصفقة بأغصانها　　　　أيتها النجوم المتلألئة با لنور الدائم
أنت شتىّ، ولكنك جميعاً في هؤلاء الأطفال يوم العيد. (۱)

یہ مضمون کے آخری جملے ہیں، جس میں خطابی اسلوب پورے جمال کے ساتھ موجود ہے۔

دوسرے مکتب فکر کے قد آور نمائندہ مصطفی لطفی منفلوطی (۱۸۷۶ء-۱۹۲۴) ہیں ''اسیوط'' کے ایک مقام ''منفلوط'' میں پیدا ہوئے، صغرسنی میں حفظ مکمل کرلیا، قاہرہ منتقل ہوکر دس سال تک ''جامعہ ازہر'' سے منسلک رہے، پھر شیخ محمد عبدہ کے حلقۂ درس سے وابستہ ہوگئے، ساتھ ہی قدیم وجدید عربی نثر ونظم کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا، مسلسل انہماک نے انہیں صاحب طرز ادیب اور منفرد انشاپرداز بنادیا، چنانچہ معاصر مجلّات میں ادبی وسیاسی مقالات لکھنے لگے، پھر عظیم قائد ''سعد زغلول'' سے ملے، جنہوں نے انہیں ''تحریر وانشاپردازی سے متعلق'' کوئی منصب دے دیا، پھر اسی سال ۱۹۲۴ء میں صرف ۴۸ سال کی عمر میں علم وادب کا تابندہ ستارہ غروب ہوگیا، (۲)

آپ کی تالیفات میں ..... النظرات (۳ جلدیں) ''المؤید'' میں مختلف موضوعات پر لکھے گئے ہیں مقالات کا مجموعہ''، العبرات: ''منقول وموضوع قصوں پر مشتمل مجموعہ'' مختارات المنفلوطی: ''متقدمین کے اشعار ومقالات کا انتخاب'' ''فی سبیل التاج' ماجدولین اُوتحت ظلال الزیفون، الفضیلة اوبول، وفرجینی، الشاعر اُوسیر النودی بر جراک'' یہ سب فرانسیسی سے مترجم قصوں پر مشتمل ہیں، کافی اہمیت کے حامل ہیں۔

.... منفلوطی کی زبان میں سنجیدگی، احتیاط اور اسلوب میں اثر انگیزی، شیرینی، رقت اور صاف گوئی ہے، سجع بندی کے تکلفات سے آزادی ہے، مگر کلمات میں طرب وغناء ہے، افکار ومعانی میں تکرار'' جو کبھی کبھی خطابی اسلوب کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے'' ہے، جذبات عقل وفکر پر غالب نظر آتے ہیں، جس کی وجہ سے معانی سے زیادہ الفاظ کی طرف توجہ ہوجاتی ہے، ایک عبارت نمونہ کے طور پر نقل کردینا مناسب ہوگا۔

''لو تراحم الناس لما كان بينهم جائع، ولا عار، ولا مغبون، ولا مهضوم، ولأقفرت الجفون مع المدامع، ولاطمأنت الجنوب فى المضاجع، ولمسحت الرحمة الشقاء من المجتمع، كما يمحو لسا ن الصبح مدار الظلام، أيها الانسان! ارحم الأرملة التى مات عنها زوجها، ولم يترك لها غير صبية صغار، ودموع غزار، ارحمها قبل أن ينال اليأس منها، ويعبث الهم بقلبها، فتؤثر الموت على

(۱) وحی القلم / مصطفی صادق الرافعی (ص:۶) المکتبة العصریة بیروت۔
(۲) انظر للتفصیل: کتاب تاریخ الادب العربی / للزیات (ص:۱۱۶-۱۱۷) ومذکرۃ فی مادۃ الادب / للجہنی (ص:۱۶، ومابعدھا) ومقدمة النظرات / للمنفلوطی (۱/۵-۸)

الحياة، ارحم الزوجة أم ولدك، وقعيدة بيتك، مرآه نفسك، وخادمه فراشك، لأنها ضعيفة، ولأن الله قد وكل أمرها إليك، وما كان لك أن تكذب ثقتها بك، ... الى أن يقول: أيها السعداء أحسنوا إلى البائسين، والفقراء، وامسحوا دموع الاشتقياء، وارحموا من فى الأرض يرحمكم من فى السماء۔ (۱)

اس عبارت سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں، کہ منفلوطی، موضوع کے انتخاب، انتخاب الفاظ اور قاری کو مسحور کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہیں، موسیقیٔ کلام میں قدماء کے طریقے سے متاثر آتے ہیں، جس کا نتیجہ سجع بندی ہے، مگر منفلوطی کے یہاں سجع بندی کا التزام نہیں ہے، بلکہ الفاظ کے طرب وغناء کا زیادہ اہتمام ہے، ان کے یہاں ایک اسلوبی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ معانی کو راسخ کرنے کی غرض سے تکرار کے عادی ہیں، مثلاً دیکھئے... ارحم الأرملة، ارحم الزوجة، ارحم ولدك، ارحم الجاهل، ارحم الحيوان۔ اسی طرح اسلوب خطابی یوں دیکھئے، أيها القارىء الكريم، أيها الانسان، أيها السعداء.

دور جدید کے ادبی مقالات لکھنے والے ادباء کے اسالیب کو مختصراً یہاں بیان کیا جارہا ہے۔

(۱) طٰہٰ حسین ....: ان کے یہاں شستگی، وروانگی اور سلاست اور جمال ارائی ہے، اور ایک معنیٰ کو مختلف شکلوں میں پیش کر کے قاری کے ذہن پر چھا جاتے ہیں۔

(۲) المازنی ....: خوبصورت طنزیہ انداز، رائج و مستعمل مفردات کے استعمال وانتخاب کے ساتھ جملوں میں فجائیت کا پہلو غالب نظر آتا ہے۔

(۳) منفلوطی ....: معنوی تلوع، مضمون میں رومانی خیالات آرائی، الفاظ کی بندش واسلوب کی شگفتگی وشائستگی میں حد درجہ کی جذباتیت، ان کی نگارشات کے امتیازی پہلو ہیں۔

(۴) رافعی ....: فکری قوت کا استعمال تعبیر بلاغت، دلکش بیان آرائی، عبارت میں دقت وباریکی اور معانی کا اختراع جیسی اہم خصوصیات رافعی کے اسلوب میں ہیں۔ (۲)

اس کے علاوہ طوالت کے خوف سے عباس محمود عقاد، احمد فارس شدیاق، احمد امین، احمد حسن زیات، وغیرہ کا قصداً نظر انداز کر رہے ہیں، کیونکہ مذکورہ معلومات جدید ادب کی حقیقی تصویر کشی کے لئے کافی ہیں۔

☆ ہندوستان میں عربی ادب کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے، تو اس حقیقت کے انکشاف سے کوئی باک نہیں ہونا چاہئے کہ ماضی قریب میں ہندوستان میں جنہوں نے عربی ادب میں کمال پیدا کیا، انہوں نے مصری ادباء کے دبستان فکر سے

---

(۱) النظرات/للمنفلوطی (۱/۴۷) بعنوان (الرحمة)

(۲) انظر: کتاب (البلاغة والنقد) د/عبدالباسط بدر۔ر ث بالمعاهد ومادة الادب/د/زيد الجهني (ص:۶)

خوشہ چینی کی ہے، انہیں میکدوں سے جام وسبو لیا ہے، مثال کے طور پر علامہ سید ابوالحسن علی ندوی، علامہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری، مولانا عبدالمعید مدنی وغیرہ کا نام لیا جا سکتا ہے، اس اساس پر ہندوستان میں بھی عربی ادب کو دو رجحان میں تقسیم کرنا بے جا نہ ہوگا، ایک مکتب فکر تو علامہ ندویؒ اور ان کے اسلوب کی پیروی کرنے والے دیگر ادباء کا ہے، جہاں الفاظ کی گھن وگرج، تعبیرات میں موسیقیت، طرب وغنا اور مادیت سے جنگ ہے، دوسرا مکتب فکر وہ ہے جہاں تعبیر کی بلاغت کے دو بدو معانی کا شدید التزام اور فکر ونظر کی قوت کا غیر معمولی اہتمام ہے، جس میں علامہ ڈاکٹر مقتدی حسن ازہریؒ، ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوریؒ، مولانا عبدالمعید مدنیؒ، مولانا نور عالم خلیل امینیؒ، شیخ صلاح الدین مقبول، ڈاکٹر عبدالعلیم بستویؒ، ڈاکٹر عبدالعلی ازہریؒ، مولانا اسعد اعظمیؒ کو بلا شبہ شامل کیا جا سکتا ہے، مگر افسوس کہ تعصب وشخصیت پرستی ان حقائق کے سامنے آہنی دیوار بن جاتی ہیں، اور اصل حقیقت کاغذوں کی زینت اور ذہن کا دفینہ بن کر رہ جاتی ہے۔

ہندوستان میں طلبۂ مدارس اور خصوصاً ''مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ بنارس'' میں ادب سے شغف رکھنے والے طلبہ کے مابین عمومی رجحان ہمارے مشاہدہ کے مطابق منفلوطیؒ اور علامہ ندویؒ کی کتابوں کے مطالعہ کا ہے، انہیں کی تحریریں پسند کی جاتی ہیں، لیکن اپنی تمام تر خصوصیات وامتیازات کے علی الرغم منفلوطیؒ کے یہاں ادب ودین ہم آہنگ نہیں ہے، ان کے یہاں ادب برائے ادب ہے، ادب میں مقصدیت کی روح پنہاں نہیں، اگر مقصدیت کے نام پر کچھ ہے، تو وہ صرف خانماں برباد اور مفلوک الحال لوگوں کے لئے ترحم کی اپیل ہے، جذبات کی رقت انگیزی ہے، جو الفاظ کا پیرہن زیب تن کر کے قاری کی فکر ونظر کو اپنے حسن وجاذبیت کا اسیر بنا لیتی ہے، یہی چیز اس کے قبول عام کی سبب بن گئی، لیکن اصحاب نظر علماء اس فکر سے متفق نہیں ہیں بلکہ وہ نئی نسل کے جدید ذہنوں کے اندر ادبی کمال اور دینی بصیرت کو ہم آہنگ بھی دیکھنا چاہتے ہیں، جن کے یہاں ادبی شعور ونبوغ اور دینی تفقہ وآگہی کا حسین امتزاج ہو، چنانچہ عربی ادب کے ہمارے معتبر اساتذہ نہ صرف ان تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ انہیں پڑھنے کی تلقین بھی کرتے ہیں، ان کے یہاں دینی غیرت وحمیت کا جوش اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود ہے، ایسے ادبا میں علامہ انور جندیؒ، محبّ الدین الخطیبؒ، علامہ شکیب ارسلانؒ، علامہ تقی الدین مراکشیؒ، علامہ سید رشید رضا مصریؒ، مولانا علی طنطاویؒ، سید قطب شہیدؒ، علامہ محمد المجذوبؒ، ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشاؒ، ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ، وغیرہم کا نام سرفہرست ہے۔

اس فکر سے ہمیں بھی اتفاق کرنا چاہیے، کیونکہ یہ بات صحیح ہے کہ مصنف کے الفاظ نہ سہی لیکن افکار ذہن کے نہاں خانہ میں نقش ہو جاتے ہیں، اس لئے اعلیٰ فکر کے حامل ادباء کو ترجیح دینا مناسب ہے، چنانچہ استاذ محترم شیخ اسعد الاعظمی نے ایک موقع سے فرمایا تھا..... ''میں نے کبھی بھی ادب برائے ادب نہیں پڑھا، اگر علمی مطالعہ کی راہ میں ادب شامل ہو گیا تو فبہا، ورنہ ادبی مطالعہ خصوصیت کے ساتھ کبھی نہیں کیا''۔

ہمارے بعض اساتذہ محمد المجذوبؒ اور طنطاویؒ کو بہت سراہتے تھے، یہ حقیقت بھی ہے کہ انھوں نے اسلامی افکار

ونظریات اور دینی موضوعات پر بہت کچھ لکھا ہے، علامہ المجذوب کی بعض کتابیں یہ ہیں.....۔

فضائح المبشرين، اليوبيل الذهبى، قصص من الصميم، دروس من الوحى، نظرات تحليلية فى القصص القرآنية، مشكلات الجيل فى ضوء الاسلام، مشاهد من حياة الصديق، قصص من تاريخنا، أحاديث قصيرة، علماء ومفكرون عرفتهم، اور علامہ طنطاوی کی رجال من التاريخ، قصص من التاريخ، صور وخواطر وغیرہ۔

اسی طرح الخطیب کی "مع الرعيل الأول"، مراکشی کی "الدعوة إلى الله"، ارسلان کی "حاضر العالم الاسلامى"، السید رشید رضا المصری کی "أوإخاء أربعين سنة"، رشید رضا کی تفسیر "المنار"، سید قطب کی "فى ظلال القرآن"، رافت پاشا کی "صور من حياة الصحابة"، الجندی جو ۲۵۰ کتابوں کے مصنف ہیں کی "نوابغ الاسلام، ومحاولة لبناء منهج الاسلامى متكامل" کافی اہمیت رکھتی ہیں۔

اس طرح کچھ ادباء ایسے ہیں، جن کے مطالعہ سے فکری انحراف آسکتا ہے، مثلاً احمد امین، جرجی زیدان، توفیق صدقی وغیرہ جس کی تفصیل علامہ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی کی کتاب "السنة ومكانتها فى التشريع الا سلامى" میں موجود ہے، ..... یہاں ایک بات عرض کردینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ درف عبدالرحیم نے ایک کتاب بنام ''کیا یہ بات مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے کے لائق ہے...'' تحریر کی (۱) اس میں انہوں نے ''کلیلہ ودمنہ'' سے متعلق اپنا موقف ذکر کیا ہے کہ اس طرح کی کتابیں جن میں اسلامی فکر کا شائبہ تک نہیں، ان کو داخل نصاب کرنا درست نہیں'' (۲) اس فکر سے گو اتفاق مشکل ہے، مگر یہ دعوت فکر ضرور دے رہی ہے، اصل میں اس میں تھوڑا سا فرق ہونا چاہیے، وہ یہ کہ داخل نصاب تو ان کتابوں کو ضرور کرنا چاہیے تاکہ کہنہ مشق استاذ کے ذریعہ طلبہ اس کے عیوب ونقائص سے آگاہ ہوجائیں، لیکن ناپختہ ذہن کے لئے ذاتی مطالعہ میں اس طرح کی چیزوں سے اجتناب کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس پوری بحث کا مقصود یہ ہے کہ جدید عربی ادب کا تاریخی ارتقاء سامنے آجائے، اور ادباء کی تحریروں کے حسن وقبح کا مختصراً اندازہ ہوجائے، اور صحیح الفکر ادباء کی شخصیتیں ابھر کر سامنے آجائیں، اس اعتراف کے ساتھ کہ استقصاء نہ تو مقصود ہے نہ ہی ممکن، لیکن اتنی امید ضرور ہے کہ اس موضوع پر ایک طائرانہ نگاہ مفصل بحثوں کے لئے تمہید ثابت ہوگی، ان شاء اللہ وباللہ التوفیق۔

☆☆☆

(۱) قارئین کو اگر کتاب کے نام میں کوئی فرق نظر آئے، تو معذرت کے ساتھ عرض ہے، کہ ناچیز نے اس کتابچہ کو بہت دنوں قبل دیکھا تھا، اس لئے نام بالضبط یاد نہیں البتہ فکر وہی ہے، واللہ اعلم.....۔

(۲) برادر کبیر شیخ صہیب حسن مدنی کے حوالہ سے شیخ انیس الرحمٰن الاعظمی کا اس کتاب پر تبصرہ معلوم ہوا کہ ''کلیلہ ودمنہ'' پر اگر ان ''درف'' کا یہ نقد ہے تو سبع معلقہ کو وہ کیا کہیں گے، گویا اس فکر سے شیخ کو بھی اتفاق نہیں۔

سرسید احمد خاں ایک عہد ساز شخصیت

حافظ عبدالماجد/اندور

سرسید علیہ الرحمۃ نے جس ماحول میں شعور کی آنکھ کھولی وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تنزلی کا عہد شباب تھا، مسلم قوم ادبار کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں ان کا وجود گم ہوتا ہوا معلوم پڑتا تھا، چرخ کج رفتار ان کا دشمن بن چکا تھا، خود ان کے احساسات سو چکے تھے، سمندر پار سے آئی ہوئی انگریز قوم نے ان کی وسیع سلطنت پر شکنجہ جما لیا تھا، مسلم قوم شمشیر کو چھوڑ کر عیش وعشرت کی گود میں سوگئی تھی، سرفروشان ملت نے بارہا ان کو جگانے کی کوشش کی لیکن ان کی ہر کوشش ناکام ہوگئی، سلطان ٹیپو کی قربانی رائیگاں گئی، مغل تاجدار شاہ عالم انگریزوں کا وظیفہ خوار بن گیا، اودھ کی حکومت ان کی وفاداری کا دم بھرنے لگی، مراٹھوں کی طاقت ان کے سامنے دم توڑ گئی، باقی ریاستوں کو لارڈ ویلزلی نے باہمی صلح کی جال میں پھنسا کر ان کو ہڑپ لیا، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے دارالحرب کے فتوی نے مسلم قوم میں تھوڑی سی ہلچل ضرور پیدا کی مگر بدبختی اس قوم کا مقدر بن چکی تھی۔

بنگال کے راجہ رام موہن رائے پہلے شخص تھے جنہوں نے محسوس کیا کہ برٹش قوم کے سیل بلاخیز کو روکنا مشکل ہے اور اب مفاہمت ہی میں بھلائی ہے، ہندو قوم کو زندہ رہنا ہے تو زمانہ کے ساتھ قدم ملا کر چلنا ہوگا اور انگریزوں کے علوم وفنون کو حاصل کر کے آگے بڑھنا ہوگا، ۱۸۱۶ء میں انگریزوں نے سنسکرت اسکول قائم کرنا چاہا تو انہوں نے سخت مخالفت کی اور کہا کہ ہمیں اپنے علوم سکھلاؤ، سنسکرت تو ہم سیکھے ہوئے ہیں، انہوں نے ہندو قوم کے بے جا رسوم اور اوہام پرستی کو ختم کرنے کے لیے کمر کس لیا اور اس میں کامیاب ہوئے، ۱۸۲۴ء میں یورپین علوم کے لیے انہوں نے کلکتہ میں ہندو کالج قائم کیا۔

دوسری طرف مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ انہیں انگریزوں سے شدید نفرت تھی، انگریزوں نے ان کی آٹھ سو سالہ حکومت کا خاتمہ کر دیا، ان کی وسیع سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا، یہ نفرت اتنی شدید تھی کہ ان کے علوم وفنون کو حاصل کرنا بھی انہیں گوارہ نہیں تھا، مذہب کا سہارہ لے کر علما نے انگریزی اور سائنسی علوم کا حاصل کرنا کفر قرار دیا، ظاہر ہے سیاسی تنزل کے ساتھ تعلیمی پس ماندگی ان کا مقدر بن گئی، وہ زمانے سے قدم ملا کر چلنے میں عار سمجھنے لگے، امرا نے فنون لطیفہ کی آغوش میں اپنی نجات سمجھی۔

ایسے وقت میں ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء میں دہلی کے ایک معزز خاندان میں ایک ایسی عظیم الشان اور ہمہ گیر شخصیت نے جنم لیا، جس نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا، سرسید باپ کی طرف سے حسینی سید تھے، ۳۶/واسطوں سے ان کا سلسلۂ نسب آں حضرت ﷺ تک پہنچتا ہے، سرسید کے والد میر تقی کا لال قلعہ میں بہت زیادہ رسوخ تھا، ان کے نانا خواجہ فریدالدین احمد اکبر شاہ ثانی کے وزیر اعظم رہے، سرسید کی اصل تربیت ان کی والدہ نے کی اور انہیں سیرت وکردار کے خوب صورت قالب میں ڈھال دیا، ریاضی تعلیم اپنے ماموں سے حاصل کی، حکیم غلام حیدر خاں سے علم طب حاصل کیا، اٹھارہ انیس سال کی عمر میں مروجہ علوم

میں مہارت حاصل کر لی۔

عنفوان شباب میں دلی کے عام رئیس زادوں کی طرح زندگی بسر کر رہے تھے، ۱۸۳۸ء میں والد اور اس سے قبل بھائی کے انتقال نے زندگی کا رخ بدل دیا اور دوبارہ تحصیل علم کی طرف مائل ہوئے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کی، ساتھ ہی اپنے خالو سے کچہری میں کام سیکھنا شروع کیا اور منصفی کا امتحان دے کر مین پوری میں منصف مقرر ہو گئے، ۱۸۴۲ء میں سرسید کا تبادلہ فتح پور ہو گیا، پھر وہ دلی آ گئے اور مشہور زمانہ تصنیف آثار الصنادید مکمل کی، جس نے سرسید کی شہرت یورپ تک پہنچا دی۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کی پہلی لڑائی کی آگ عوام تک پہنچ گئی، اس لڑائی میں ہندو مسلم سب نے حصہ لیا، لیکن تحریک کی ناکامی کے بعد انگریزوں کا عتاب مسلمانوں پر نازل ہوا، ہزاروں علما اور لاکھوں لوگ پھانسی میں چڑھا دیئے گئے یا انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنے، سرسید اس وقت بجنور میں صدر امین تھے، خود سرسید کا خاندان تباہی کی زد میں آیا، ان کی ماں کو تین دن کا فاقہ کرنا پڑا، سرسید بڑی مشکل سے انہیں دلی سے نکال کر میرٹھ لے گئے، دوران ملازمت مختلف مقامات پر آپ کا ٹرانسفر ہوتا رہا، ۱۸۶۵ء میں غازی پور پہنچے تو سائنسی علوم کا اردو میں ترجمہ کے لیے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک تنظیم قائم کی، ۱۸۶۹ء میں بنارس سے اپنے بیٹوں کے ساتھ ولایت گئے، تاکہ اندازہ لگا سکیں برٹش قوم کی ترقی کا کیا راز ہے، آکسفورڈ، کیمبرج اور دوسرے تعلیمی اداروں کا باریکی سے مشاہدہ کیا، وہاں سے واپسی پر وہ قوم کی اصلاح کا راز دریافت کر چکے تھے۔

واپس آ کر انہوں نے ۱۸۷۱ء میں تہذیب الاخلاق کے نام سے ایک ماہنامہ رسالہ جاری کیا جس کا خاص مقصد مسلمانوں کی ترقی کے لیے نئی شاہراہ متعین کرنا اور ان میں تعلیمی بیداری پیدا کرنا تھا، ہندوستان کے طول وعرض میں مخالفتوں کے باوجود اس رسالہ نے اپنا سکہ جما لیا، ۱۸۷۵ء میں سرسید ملازمت سے سبک دوش ہو کر علی گڑھ آ گئے اور یہاں مدرسۃ العلوم کے نام سے تعلیمی ادارہ قائم کیا، یہ ادارہ ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز تھا، اس ادارہ کے قیام میں ہر طرف سے روڑے اٹکائے گئے، مخالفتوں کا طوفان امنڈ پڑا، کفر کے فتوے لگائے گئے، ہندوستانی علما ہر طرح رکاوٹ بنے لیکن سرسید نے اس چراغ کو بجھنے نہ دیا، پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے، ان کو چند ایسے رفقا مل گئے جنہوں نے تن من دھن سے ان کا ساتھ دیا، ۱۸۷۷ء میں یہ معمولی سا ادارہ محمڈن اورینٹل کالج بنا، سرسید کے خوابوں کی تعبیر ان کی زندگی میں نہ مل سکی، لیکن ۱۹۲۰ء میں یہ کالج مسلم یونیورسٹی بن گیا اور آج یہ تعلیمی ادارہ دنیا کے چند مشہور تعلیمی اداروں میں شمار ہوتا ہے، ۱۸۹۹ء میں قوم کا یہ مسیحا دنیا سے رخصت ہو گیا۔

سرسید کے عظیم کارنامے:

سرسید کی شخصیت ہمہ جہت تھی، وہ قوم کے مسیحا اور عظیم مصلح تھے، انہوں نے قوم کی اصلاح اور اسے پستی سے نکالنے کے لیے ایسے وقت میں بیڑہ اٹھایا جب ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی، قوم ان کا ساتھ کیا دیتی وہ خود ان کا دشمن بن گئی، لیکن

سرسید کے پائے ثبات میں لغزش نہ ہوئی، انہوں نے بیک وقت مختلف محاذوں پر جنگ لڑی۔

۱۸۵۷ء کی غدر کے بعد انگریزوں کے قہر کا نشانہ مسلمان بنے اور امراء، علماء چن چن کر موت کے گھاٹ اتار دیے گئے، ہزار ہا خاندان نیست و نابود ہو گئے، ان کے املاک برباد کر دیئے گئے یا ضبط کر لیے گئے، کون سی ایسی اذیت جو مسلمانوں کو نہ دی گئی، یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا، سرسید یہ دیکھ کر خون کے آنسو روتے رہے، ان کا خاندان مصیبت زدہ تھا، لیکن انہوں نے اس کی پرواہ نہ کی اور مسلمانوں کو انگریزوں کے عتاب سے بچانے کے لیے جان کی بازی لگا دی، بجنور کے قیام کے زمانے میں انہوں نے اسباب بغاوت ہند لکھا جس میں انہوں نے انگریزوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مسلمان برٹش حکومت کے دشمن نہیں ہیں، ان کا مقصد صرف یہی تھا کہ کسی طرح مسلمانوں کو انگریزوں کے قہر سے بچا لے جائیں۔ ان کی کوششیں رنگ لائیں اور ان کی اس تصنیف کا یہ نتیجہ نکلا کہ دھیرے دھیرے انگریزوں کے رویے میں تبدیلی آ گئی۔

انگریز عیسائی تھے، ان کی حکومت کی سرپرستی میں عیسائی مشنریوں نے عیسائیت کی نہ صرف پرزور تبلیغ شروع کی بلکہ مذہب اسلام پر یلغار کر دیا، رسول اللہ ﷺ کی سیرت، اسلامی قوانین، قرآن اور احادیث سب پر حملہ کرنا شروع کر دیا، ولیم میور نے ایسی زہریلی کتاب لکھی جس میں رسول اللہ ﷺ کی ہر طرح اہانت کی، سرسید کی غیرت کیسے ان رکیک حملوں کو برداشت کرتی چنانچہ آپ کا قلم ان سب کی تردید کے لیے وقف ہو گیا، یہ دوسرا محاذ تھا جس پر آپ نے بڑی کامیابی سے جنگ لڑی۔

تیسرا اور سب سے مشکل محاذ تھا مسلمانوں کو تعلیمی پسماندگی کے گہرے غار سے نکالنا اور انہیں جدید علوم وفنون کی طرف راغب کرنا، آپ کے لیے یہ محاذ سب سے زیادہ مشکل اس لیے تھا کہ خود اپنے ہی دشمن بنے ہوئے تھے، علما جدید علوم وفنون اور انگریزی تعلیم کے حصول کو حرام قرار دے چکے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہ علوم الحاد اور بے دینی سکھلاتے ہیں، اس لیے ان کا حصول کفر ہے، سرسید کی دعوت کی انہوں نے ہر طرح سے مخالفت کی، ان پر کفر کا فتوی لگایا گیا، مکہ سے ان کے خلاف فتوے لائے، انہیں واجب القتل اور مرتد قرار دیا گیا، سرسید اکیلے ہی ان سے لڑتے رہے، انہوں نے اپنی دل نشیں تحریروں اور تہذیب الاخلاق کے ذریعہ اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کی، بالآخر قوم کے ایک طبقہ نے آپ کے نظریات کو قبول کیا اور جہالت کی تاریکی اور لکیر کے فقیر مدارس کی دنیا سے قوم باہر نکلنے پر آمادہ ہو گئی۔

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ مسلم یونیورسٹی کا قیام تھا، جسے آپ نے ایک مدرسہ کی شکل میں قائم کیا، اس کے لیے آپ نے ہر طرح سے قربانی دی، اپنا مال، اپنی جائداد سب اس ادارہ کے لیے وقف کر دیا حتی کہ اپنے بیٹے کی شادی اور ولیمہ کا پیسہ بھی اس میں لگا دیا، اس یونیورسٹی کے قیام سے سرسید کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان طلبا دینی تعلیم کے ساتھ سائنسی علوم حاصل کریں اور ایک زندہ قوم بن کر وہ عزت کی زندگی گزاریں۔ آج یقیناً ان کی روح دوسری دنیا میں اپنے خوابوں کی حسین تعبیر پر مسکرا رہی ہوگی۔

☆☆☆

جامعہ سلفیہ، بنارس میں منعقد تربیتی پروگرام

جامعہ سلفیہ بنارس میں "العربیۃ للجمیع" ریاض سعودی عربیہ کے تعاون سے عربی زبان وادب کے فروغ کے لیے عربی مدارس کے اساتذہ کا ایک چھ روزہ پروگرام منعقد کیا گیا، یہ پروگرام ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز سنیچر تا ۲۹ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات جاری رہا۔

بتاریخ ۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز سنیچر صبح ۸ بجے جامعہ سلفیہ کے سیمینار ہال میں اس پروگرام کی افتتاحی تقریب زیر صدارت ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم صدر جامعہ سلفیہ منعقد ہوئی، جس کی نظامت مولانا اسعد اعظمی نے فرمائی، تلاوت کلام پاک کے بعد ناظم جلسہ نے عربی زبان کے تربیتی پروگرام کے اہم مقاصد پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ اس پروگرام میں ملحق مدارس، ملک کے دیگر چند بڑے مدارس اور اس جامعہ کے بعض اساتذہ جن کی مجموعی تعداد تقریبا ۵۰ ہے شریک ہورہے ہیں، نیز مہمان ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن ابراہیم الفوزان المشرف العلمی للبرنامج العربیۃ للجمیع اور شیخ عوض بن علی الجمعۃ نائب المدیر العلمی للبرنامج کا مختصر تعارف پیش کیا، اس کے بعد ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود نے مہمانوں کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا جس میں انہوں نے سعودی عرب سے جامعہ سلفیہ کے دیرینہ تعلقات کا ذکر کیا نیز جامعہ کا مختصر تعارف پیش کیا، اس کے مختلف شعبوں کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی، اخیر میں دوبارہ مہمانان گرامی کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفوزان عمید اعداد المعلمین للغۃ العربیۃ بجامعۃ الملک سعود نے اپنے تاثرات پیش کئے، آپ نے جامعہ میں اپنی آمد کو اپنے دیرینہ خواب کی تکمیل قرار دیا اور اپنی بے انتہا خوشی کا اظہار کیا، آپ عربی زبان کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ زبان قرآن وحدیث اور امہات المومنین کی زبان ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے لغۃ الام کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے بچوں کو بچپن سے ہی عربی بولنے کی عادت ڈالنی چاہئے اور اس کے لیے عربی زبان کے اساتذہ اپنے گھروں کے اندر عربی بولیں، ان کے بچے بھی عربی زبان سیکھ جائیں گے۔ اخیر میں اپنی اس امید کا اظہار کیا کہ جامعہ سلفیہ بنارس اس ملک میں عربی زبان کے فروغ واشاعت کے اس پروگرام کی قیادت وسیادت کرے گا۔

دوسرے مہمان استاد عوض بن علی الجمعۃ نائب المدیر العلمی للبرنامج وموظف وزارۃ التعلیم العالی بالمملکۃ نے اپنے کلمات میں عربی زبان کی اہمیت کو واضح کیا اور اس مشروع کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اب تک اس "العربیۃ للجمیع" کے تحت ۱۰۰ سے زائد پروگرام پوری دنیا میں منعقد ہوئے اور ۳۰۰۰ افراد اس سے مستفید ہوئے، اور یہ پروگرام گذشتہ ۱۰ سالوں سے چل رہا ہے، امید ہے کہ یہ دورہ بھی بہت نفع بخش ہوگا۔

تقریب کے اخیر میں صدر جامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم نے خطاب فرمایا، آپ نے مہمانان گرامی کو ان کی آمد پر شکر وترحیب کے کلمات پیش کئے اور شریک ہونے والے اساتذہ کو بھی اس جامعہ کے اندر خوش آمدید کہا اور امید ظاہر کی کہ ان کا قیام جامعہ کے اندر خیر وبرکت کا باعث ہوگا، اور ان عرب مہمانوں کی آمد مکرر وسہ کرر ہوگی۔

افتتاحی پروگرام کے بعد اس تربیتی پروگرام کے کلاسیز کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔

اس تربیتی پروگرام کی اختتامی تقریب ۲۹ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات ۱۲ بجے دوپہر منعقد ہوئی، جس کی صدارت ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم نے فرمائی، اس تقریب میں مہمان اساتذہ کے علاوہ شیخ زہیر عبدالرحمٰن رحمانی نے بھی اس پروگرام سے متعلق اپنے تاثرات پیش کئے اور اس کے بعض بیحد اہم اور مفید گوشوں پر روشنی ڈالی، اور آئندہ بھی اس طرح کے پروگرام منعقد کرنے کی خواہش ظاہر کی، ناظم اعلی جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ سعود صاحب وصدر جامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم صاحب نے مہمانان گرامی اور "مؤسسة العربية للجميع" کا اس پروگرام کے انعقاد پر شکریہ ادا کیا۔ اس باوقار تقریب میں نائب ناظم جامعہ سلفیہ مولانا عبداللہ زبیری ومولانا احسن جمیل مدنی بھی شرکت فرمائی۔

پروگرام کے اخیر میں امتحان کے نتائج کا اعلان کیا گیا، اور تمام شرکاء کو سرٹیفیکٹ وقیمتی تحائف سے نوازا گیا، نیز العربية للجميع کی جانب سے ذمہ داران جامعہ کو بھی یادگاری تحفہ سے نوازا گیا۔

مہمانان اساتذہ نے اپنے قیام کے دوران طلبائے جامعہ کو مختلف مواقع پر خطاب فرمایا، بعض کلاسوں میں بھی جا کر انہیں درس دیا اور عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے نیز عربی بول چال کی عادت ڈالنے پر زور دیا، نیز طلبائے جامعہ کی تعریف کی اور یہ فرمایا کہ تھوڑی سی محنت اور رہنمائی سے ان کے لیے یہ کام بہت آسان ہو جائے گا۔

اس پورے تربیتی پروگرام کی حسن تنظیم وترتیب میں شیخ اسعد اعظمی وشیخ عبدالکبیر مدنی صاحبان نے قابل تحسین کردار ادا کیا۔

اس تربیتی پروگرام میں شریک ہونے والے اساتذہ کی تعداد ۴۶ تھی، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

١	الشيخ حميد الله زلفين	الجامعة الاسلامية، اكبر پور، جمنى سدهارتھ نگر	يوپى
٢	الشيخ عبد المالك محمد صديق	الجامعة الاسلامية، اكبر پور، جمنى سدهارتھ نگر	يوپى
٣	الشيخ نعيم الدين محمد حسين	مدرسه چشمۂ حيات، جونپور	يوپى
٤	الشيخ كليم الله عبد الحميد	مدرسه چشمۂ حيات، جونپور	يوپى
٥	الشيخ فتح عالم عبد الجليل	مدرسه دار الهدى ، جلالى پوره، بنارس	يوپى
٦	الشيخ محمد اقبال سلفي محمد عمر	مدرسه دار الهدى ، جلالى پوره، بنارس	يوپى
٧	الشيخ عبد الحكيم عبد الحي فيضى	جامعة دار السلام، پهلوريا، سدهارتھ نگر	يوپى
٨	الشيخ جنيد احمد محمود على	جامعة دار السلام، پهلوريا، سدهارتھ نگر	يوپى
٩	الشيخ وصي الرحمن بن ظهور عالم	مدرسه دار العلوم، اهل حديث، جودهپور	راجستهان
١٠	الشيخ عبد المنان بن محمد ابراهيم	مدرسه دار العلوم، اهل حديث، جودهپور	راجستهان
١١	الشيخ تنوير عالم عبد الرزاق ندوى	المدرسة الأحمدية السلفية، آره	بهار
١٢	الشيخ صغير احمد سراج الحق سلفى	المدرسة الأحمدية السلفية، آره	بهار
١٣	الشيخ محمد صهيب محمد ايوب	الجامعة الاسلامية خير العلوم، ڈومريا گنج، سدهارتھ نگر	يوپى
١٤	الشيخ سراج الدين معين الدين	جامعة ضياء العلوم، گردهيا، سدهارتھ نگر	يوپى

١٥	الشيخ انتخاب عالم سلفی رضاء الله	المدرسة المحمدية العربية، تيلنى پاڑه، هگلى	بنگال
١٦	الشيخ محمد عطاء الله ندوى مقبول احمد	المدرسة المحمدية العربية، تيلنى پاڑه، هگلى	بنگال
١٧	الشيخ عبد البارى فضل حق	مدرسة زيد بن ثابت، سانتها بازار، سنت كبير نگر	يوپى
١٨	الشيخ اسرار احمد عبد الحكيم	مدرسة زيد بن ثابت، سانتها بازار، سنت كبير نگر	يوپى
١٩	الشيخ محمد عثمان عبد الجليل	جامعة دار السلام بنگرور (ڈنگره گهاٹ) پورنيه	بهار
٢٠	الشيخ خليل الرحمن عبد الوهاب	جامعة دار السلام بنگرور (ڈنگره گهاٹ) پورنيه	بهار
٢١	الشيخ عبد الحليم محمد اسماعيل سلفى	المدرسة المحمدية العربية، ٹانڈه دهونره، بريلى	يوپى
٢٢	الشيخ حفيظ الرحمن بلال احمد سلفى	المدرسة المحمدية العربية، ٹانڈه دهونره، بريلى	يوپى
٢٣	الشيخ عبد العليم بدر الدين	الجامعة الرشيدية السلفية، مهر نگر، ارريه	بهار
٢٤	الشيخ نثار الحق بن عين الحق	الجامعة الرشيدية السلفية، مهر نگر، ارريه	بهار
٢٥	الشيخ نعيم اختر فيضى جناب على	جامعة منهاج العلوم، رتنى كٹيهار	بهار
٢٦	الشيخ محبوب عالم مظفر على فيضى	جامعة تعليم القرآن، رام گهاٹ، رانى پترا، پورنيه	بهار
٢٧	الشيخ عبد البارى عبد البصير سلفى	جامعة التعليم الدينى، شرى پور، مالده	بنگال
٢٨	الشيخ محمد فاروق حيدر خان المحمدي	جامعة دار النصيحة السلفية، آزاد نگر، بهوج كچه	گجرات
٢٩	الشيخ عزيز الرحمن بن عبد السلام	المدرسة السلفية، پرساء گوپال گنج	بهار
٣٠	الشيخ مختار احمد بن محمد اسحاق سلفى	المدرسة السلفية، پرساء گوپال گنج	بهار
٣١	الشيخ مختار عالم محمد يوسف	جامعة مصباح العلوم السلفية، جهومپوره	اڑيسه
٣٢	الشيخ مصلح الدين محب الله	جامعة مصباح العلوم السلفية، جهومپوره	اڑيسه
٣٣	الشيخ عبد الله أنصاري عبد الرؤف	مدرسه احياء السنة بجرڈيهه، بنارس	يوپى
٣٤	الشيخ زهير عبد الرحمن الرحمانى	مدرسه احياء السنة بجرڈيهه، بنارس	يوپى
٣٥	الشيخ محمد ساجد محمد شميم مدنى	جمعية ندوة السنة التعليمية الخيرية اٹوابازار، سدهارتهه نگر	يوپى
٣٦	الشيخ سعود أحمد بن نياز احمد مدنى	الجامعة الأثرية دار الحديث، مئونات بنجن	يوپى
٣٧	الشيخ حافظ محمد أسلم عبد السلام رياضي	الجامعة العالية العربية، مئونات بنجن	يوپى
٣٨	الشيخ عبد الخالق بن شاه محمد	جامعة فيض عام، مئونات بنجن	يوپى
٣٩	الشيخ اسد الرحمن التيمي	جامعة ابن تيمية، بيهار	بهار
٤٠	الشيخ نور الهدى بن عبد المغنى سنابلى	الجامعة الاسلامية سنابل، دهلى	دهلى
٤١	الشيخ حميد الله حقيق الله	الجامعة الاسلامية كوسه تهانه مهاراشٹر	مهاراشٹر
٤٢	الشيخ سلطان أحمد محمد بلال حسين الندوي	الجامعة المحمدية منصوره، ماليگاؤں	مهاراشٹر

٤٣	الشيخ عبد الرحيم عبد العليم الرياضي	الجامعة السلفية، بنارس	يوپي
٤٤	الشيخ احسان الله عدالت حسين	الجامعة السلفية، بنارس	يوپي
٤٥	الشيخ محمد إبراهيم عبد الباسط السلفي	جامعة الإمام البخاري كشن غنج، بهار	بهار
٤٦	الشيخ عبد العظيم بيگ	دار السلام عمرآباد، تمل ناڈو	تمل ناڈو

عربی زبان کے مختلف علوم پر روزانہ پانچ لکچرس ہوئے، جس کی تفصیل ذیل کے جدول میں ہے:

وقت	۷-۵۰-۸-۰۰	۸-۵۰-۸-۰۰	۹-۴۰-۸-۵۰	۱۰-۳۰-۹-۴۰	۱۱-۳۰-۱۰-۴۰	۱۲-۳۰-۱۱-۴۰
دن	لکچر-۱	لکچر-۲	ناشتہ	لکچر-۳	لکچر-۴	لکچر-۵
سنیچر	افتتاح	تعريف بالدورة		ٹسٹ	اكتساب اللغة وتعلمها	تعليم الأصوات
	مهمان اساتذه	مهمان اساتذه		مهمان اساتذه	د. الفوزان	د. الفوزان
اتوار	طرائق تعليم اللغات	سمات الكتاب الجيد		تعليم المفردات	تعليم التراكيب	تطبيق الأصوات
	أ. الجمعة	د. الفوزان		أ. الجمعة	د. الفوزان	شعبتان (أ، ب)
سوموار	تعليم الاستماع	اختبارات اللغة		تعليم الكلام	تطبيق المفردات	تطبيق التراكيب
	د. الفوزان	أ . الجمعة		د. الفوزان	شعبتان (أ، ب)	شعبتان (أ، ب)
منگل	تعليم القراءة	تعليم المبتدئين		تعليم الكتابة	تطبيق الاستماع	تطبيق الكلام
	أ. الجمعة	د. الفوزان		أ. الجمعة	شعبتان (أ، ب)	شعبتان (أ، ب)
بدھ	تقنيات تعليم اللغة	إدارة الصف اللغوي		التقابل اللغوي	تطبيق القراءة	تطبيق الكتابة
	أ. الجمعة	د. الفوزان		أ. الجمعة	شعبتان (أ، ب)	شعبتان (أ، ب)
جمعرات	تلخيص ومراجعة	امتحان		سیمینار بعنوان عربی زبان کی تعلیم کے میدان میں دشواریاں		اختتامی تقریب
	د. الفوزان	مهمان اساتذه		مهمان اساتذه		مهمان اساتذه

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

عرب خاتون کو امن کا نوبل انعام

امن کا نوبل انعام ۲۰۱۱ء سے مشترکہ طور پر تین خواتین کو نوازا گیا، جن میں سے دو لائبریا اور ایک یمن کی ہیں، لائبریا کی صدر جمہوریہ ایلن جانسن سریلف اور امن کے میدان میں سرگرم کارکن لیما جیبوئی اور یمن کی خاتون توکل کرمان جو خواتین کے حقوق کے لئے سرگرم ہیں۔ انعام کی یہ رقم جو پندرہ لاکھ ڈالر پر مشتمل ہے ان تینوں کے درمیان یکساں طور پر تقسیم ہوگی، انعام دینے والی ناروے کی نوبل کمیٹی کے سربراہ تھورب جورن جاگلینڈ نے یہ اعلان کرتے ہوئے نامہ نگاروں کو بتایا کہ محترمہ جیبوئی نے لائبریا میں خانہ جنگی ختم کرنے کے لئے خواتین کو متحد کیا۔

۷۲ سالہ سریلف افریقہ کی پہلی خاتون صدر ہیں، جنھوں نے آزادانہ اور غیر جانب دارانہ طور پر منعقد انتخابات میں فتح حاصل کی ہے۔ (دی ٹائمز آف انڈیا- ۸/اکتوبر ۲۰۱۱ء ص ۱/)

یمن کی مشہور صحافی خاتون، ادیبہ اور شاعرہ ۳۲ سالہ توکل عبدالسلام خالد کرمان جو تعز میں پیدا ہوئیں، پولیٹکل سائنس سے ایم اے اور پیشہ کے اعتبار سے جرنلسٹ ایشویشن کی صدر ہیں، آزادی صحافت اور حقوق نسواں وحقوق انسانی کی تحریک کی علمبردار ہیں، اور امن کا نوبل انعام پانے والی سب سے پہلی عرب خاتون ہیں۔

افغانستان میں خشک سالی:

افغانستان کو اس موسم سرما میں بدترین خشک سالی کا سامنا ہوسکتا ہے جس کے اثرات سے نمٹنے کے لئے افغان حکومت نے ۱۴ کروڑ ڈالر کے امداد کی اپیل کی ہے، افغان وزیر زراعت نے خشک سالی کی اس صورت حال کو انتہائی تشویشناک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا اثر ملک کے شمال اور مشرق میں ۱۴ صوبوں پر ہوگا جو ملک کا تقریباً نصف حصہ بنتا ہے ۱۰ سال میں پہلی بار پیش آنے والی اس بدترین خشک سالی کے باعث کاشتکاروں نے اپنے مویشیوں تک کو فروخت کردیا ہے اور افغان حکومت کے مطابق اب ان کا مکمل دارومدار غیر ملکی امداد پر ہے۔ (راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۸/اکتوبر ۲۰۱۱ء ص ۱۲/)

کویت میں تاج محل سے مشابہ مسجد بن کر تیار:

تاج محل سے بہت حد تک مشابہ چار میناروالی مسجد ''فاطمہ زہرا'' کویت میں اب تکمیل کے مرحلہ تک پہونچ چکی ہے، اس مسجد میں بیک وقت ۳۵۰۰ مرد اور ۵۰۰ خواتین نماز ادا کرسکتی ہیں، میناروں کی اونچائی ۳۳ میٹر ہے، اس خوبصورت مسجد کی تعمیر میں تین سال کا عرصہ لگا، سنگ مرمر سے مسجد کی تزئین کاری کا کام ہندوستانی اور ایرانی انجینئروں اور مزدوروں نے ۸ مہینے تک ۲۴ گھنٹے روزانہ کام کرکے پورا کیا، مسجد پوری طرح سے ایرکنڈیشنڈ ہے اس مسجد کے احاطے میں ایک عظیم الشان لائبریری بھی قائم کی گئی ہے۔ (روزنامہ انقلاب ممبئی از بنارس ۲/اکتوبر ۲۰۱۱ء ص ۱/)

اسرائیل میں شرپسندوں نے مسجد کو نذر آتش کردیا:

مقبوضہ بیت المقدس اسرائیل میں دائیں بازو کے انتہا پسندوں نے ایک مسجد کو نذر آتش کردیا، جس سے مسجد کی دیوار اور قالین وغیرہ کو کافی نقصان پہونچا ہے، اسرائیل پولیس نے اسے یہودی آبادکاروں کی غیر قانونی کاروائی قرار دیا ہے۔ (انقلاب ممبئی از بنارس ۴/اکتوبر ص ۱۱/)

☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں ایک عظیم الشان اجلاس عام

۲۴ ستمبر ۲۰۱۱ء بروز سنیچر بعد نماز عشاء جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں ایک عظیم الشان اجلاس عام منعقد ہوا، اس کی صدارت جماعت اہلحدیث کے بزرگ عالم فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن عبیداللہ رحمانی مبارکپوری حفظہ اللہ وتولاہ نے فرمائی اور نظامت کی ذمہ داری جامعہ سلفیہ کے استاذ فضیلۃ الشیخ عبدالوہاب حجازی حفظہ اللہ وتولاہ نے ادا کی، اجلاس میں اراکین وذمہ داران جامعہ خصوصا رئیس الجامعہ ڈاکٹر جاوید اعظم عبدالعظیم صاحب، ناظم اعلی مولانا عبداللہ سعود بن عبدالوحید صاحب، نائب رئیس الجامعہ مولانا شاہد جنید محمد فاروق صاحب، الحاج محمد سالم صاحب سابق ناظم اعلی ورکن مجلس عاملہ نیز جامعہ سلفیہ کے اساتذہ کرام نے شرکت فرمائی، جلسہ کا آغاز جامعہ کے ایک ہونہار طالب علم مستفیض الرحمٰن بن محمد ریحان رف ۳ کی تلاوت کلام اللہ سے ہوا، اس کے بعد سعید الرحمٰن اوران کے رفقاء نے جامعہ کا ترانہ پیش کیا، تلاوت اور ترانہ جامعہ کے بعد باقاعدہ تقریری سلسلہ کا آغاز ہوا۔

سب سے پہلے فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ صدر جلسہ نے اپنے صدارتی خطاب سے لوگوں کو فیض یاب کیا، موصوف نے اپنے صدارتی خطاب میں علم کی اہمیت کو اجاگر فرمایا اور اسلاف کے واقعات کی روشنی میں اخلاص کے ساتھ اس راہ میں طویل جدوجہد کرنے کی ترغیب دلائی، صدارتی خطاب کے بعد جامعۃ الملک سعود، ریاض سے تشریف لائے مہمان گرامی ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن ابراہیم الفوزان نے عربی زبان میں خطاب کیا اوران کے ساتھ آئے دوسرے مہمان الشیخ عوض بن علی الجمعہ نے بھی انما المؤمنون إخوۃ کے موضوع پر عربی ہی میں خطاب کیا، ان دونوں خطاب کا اردو میں خلاصہ جامعہ کے استاذ شیخ اسعد اعظمی حفظہ اللہ نے پیش کیا۔

اس کے بعد فضیلۃ الشیخ محمد مقیم فیضی حفظہ اللہ نے اپنی تقریر سے حاضرین کو مستفید کیا جس میں آپ نے صحابہ کرام کی زندگی پر تربیت نبوی کے اثرات کا ذکر فرمایا اور اس بات پر زور دیا کہ تربیت کے عمل کو نبوت کے منہج کے مطابق انجام دیا جائے، اس تقریر کے بعد شیخ عبدالوہاب حجازی صاحب نے اعتدال کے موضوع پر ایک بلیغ خطاب فرمایا اور اسے امت محمدیہ کا شان امتیاز قرار دیا، اس اجلاس کے مہمان خصوصی مولانا اصغر علی امام مہدی السّلفی ناظم اعلی مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند جو کسی دوسرے پروگرام میں شرکت کی وجہ سے اس جلسہ میں شریک نہ ہو سکے، اس اجلاس کے لیے آپ کے پیغام کو مولانا محمد احمد سلفی مدیر مکتب ناظم اعلی دہلی نے حاضرین کو پڑھ کر سنایا، اس کے بعد جھنڈانگر نیپال سے تشریف لائے مولانا عبدالمنان سلفی وکیل الجامعہ سراج العلوم نیپال نے اپنا تاثراتی خطاب پیش کیا، جماعت کے مشہور مقرر شیخ رضاء اللہ عبدالکریم مدنی حفظہ اللہ نے صراط مستقیم پر چلنے اور اس راہ کی صعوبتوں کو انگیز کرنے کی تاکید اپنے تقریر میں فرمائی، آپ کے بعد تاثراتی خطاب پیش کرنے کے لئے مولانا محمد ہارون صاحب دہلی کو دعوت دی گئی، شارجہ سے تشریف لائے اس اجلاس عام کے آخری مقرر مولانا ظفر الحسن صاحب نے اپنے خطاب سے لوگوں کو مستفید فرمایا، آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دس وصیتوں پر روشنی ڈالی جو آپ نے ایک صحابی جلیل کو فرمائی تھی، وقت کی قلت کی وجہ سے پانچ وصیتوں پر تفصیلی روشنی ڈالی اور پانچ وصیتوں کو صرف شمار کرادیا۔

۳۰:۱ بجے شب اس اجلاس عام کے اختتام کا اعلان کیا گیا، شدید بارش کے باوجود اس اجلاس میں شہر کے علاوہ اطراف وجوانب مئو، بھدوہی وجونپور وغیرہ سے بھی سامعین حضرات نے شرکت کی، نیز خواتین نے بھی اس اجلاس میں شرکت کی، ان کے لیے پردہ کا معقول انتظام تھا۔ ☆☆☆

باب الفتاوی

سوال (۱) قربانی کے جانوروں کا کن عیوب سے پاک ہونا چاہئے۔
(۲) قربانی کے ایام کتنے ہیں اور قربانی کرنے کا صحیح وقت کونسا ہے؟
(۳) کیا قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ بہتر وافضل ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب ومنہ الصدق والصواب:

(۱) قربانی کا جانور خریدتے وقت اس کے کان، آنکھ وغیرہ کو اچھی طرح سے دیکھ لینا چاہئے، کیونکہ بعض عیوب ایسے ہیں جن کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہیں ہوگی، چنانچہ خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نستشرف العين والأذن''(أبوداؤد،كتاب الضحايا:باب ما يكره من الضحايا(۲۸۰٤) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو خوب غور سے دیکھ لیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''أن رسول الله صلى الله عليه وسلم سئل ماذا يتقى من الضحايا فأشار بيده فقال أربع العرجاء البين ظلعها والعوراء البين عورها والمريضة البين مرضها والعجفاء التى لا تنقى "(صحیح سنن أبی داود ح ۲۴۳۱، مسند احمد ۳۰۱/۴) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کن عیوب سے قربانی کے جانوروں میں بچا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا: ''چار قسم کے جانوروں کی قربانی سے بچنا چاہئے، لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، بھینگا جس کا بھینگا پن ظاہر ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو اور کمزور ولاغر جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جانوروں کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے جس کے کان سامنے یا پیچھے سے کٹے یا چیرے ہوئے ہوں، یا جن کے کان چھیدے ہوئے ہوں اسی طرح ایسے جانوروں کی قربانی سے منع فرمایا ہے جن کی سینگ ٹوٹی اور کان کٹے ہوئے ہوں۔(سنن ابن ماجہ، کتاب الأضحیۃ)۔

(۲) قربانی کرنے کے ایام چار ہیں، یہ دسویں ذی الحجہ کی نماز عید کے بعد سے شروع ہوکر تیرہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے، یعنی یوم النحر کے ساتھ ساتھ ایام تشریق کے تینوں دن (گیارہویں، بارہویں، اور تیرہویں ذی الحجہ) قربانی کے دن ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''أيام التشريق أربعة أيام يوم النحر وثلاثة بعده'' ''ایام تشریق چار دن ہیں یعنی دسویں ذی الحجہ اور اس کے بعد کے تین دن''۔

اسی طرح حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''كل أيام

التشريق ذبح ''یعنی تمام ایام تشریق قربانی کے دن ہیں (صحیح الجامع الصغیر: ۴۵۳۷، فتح الباری ۱۰/۱۱، زاد المعاد ۲/۳۱۸)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، امام عطاء، حسن بصری، حضرت عمر بن عبد العزیز، امام سلیمان بن موسیٰ، امام مکحول، امام شافعی اور داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔ (نیل الأوطار ۵/۱۳۸، ۱۳۹)

قربانی کا وقت یوم النحر کو نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إن أول ما نبدأ به في يومنا هذا أن نصلي، ثم نرجع فننحر، من فعله فقد أصاب سنتنا، ومن ذبح قبل فإنماهو لحم قدمه لأهله، ليس من النسك في شيء'' (بخاری شریف ۵۵۴۵) یعنی آج کے دن ہم سب سے پہلے نماز عید پڑھیں گے، پھر واپس لوٹ کر قربانی کریں گے، جو شخص اسی طرح کرے گا وہ ہماری سنت کو پالے گا، اور جو شخص نماز عید سے پہلے قربانی کرے گا تو وہ بس گوشت ہی اپنے گھر والوں کو پیش کرے گا، قربانی نہیں ہوگی۔ اس معنی ومفہوم کی اور بھی کئی روایات بخاری شریف میں موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں حدیث ۹۵۱، ۹۵۵، ۵۵۵۶، ۶۶۷۳، ۵۵۵۷، وغیرہ۔

ایک دوسری روایت جو کہ حضرت جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قربانی کے موقعہ پر نبی ﷺ کے ساتھ تھا، ابھی آپ نماز عید سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ آپ ﷺ نے ان جانوروں کا گوشت دیکھا جنھیں آپ کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہی قربان کر دیا گیا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''من ذبح قبل الصلاة، فليذبح مكانها أخرىٰ، ومن كان لم يذبح حتى صلينا فليذبح على اسم الله'' (البخاری: ۵۵۰۰) یعنی جس شخص نے بھی قربانی کا جانور نماز عید سے پہلے ہی ذبح کر دیا تھا وہ اس کی جگہ اور جانور ذبح کرے اور جس نے ذبح نہیں کیا تھا وہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دے، اسی معنی مفہوم کی کئی روایات بخاری میں موجود ہیں، ملاحظہ ہو حدیث ۵۵۶۲، ۹۸۵، ۹۵۴، ۶۶۷۴، وغیرہ۔

مسلم شریف میں اسی معنی ومفہوم کی ایک روایت اس طرح مروی ہے ''من كان ذبح أضحية قبل أن يصلي – أو نصلي – فليذبح مكانها أخرىٰ، ومن كان لم يذبح، فليذبح باسم الله'' (صحیح مسلم حدیث ۱۹۶۰، کتاب الأضاحی، باب وقتھا)

اوپر مذکور تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ قربانی کا وقت نماز عید کے بعد سے شروع ہو کر تیرہویں ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک رہتا ہے، اس درمیان رات دن جس وقت بھی قربانی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ یوم النحر ہی کو قربانی کرنا زیادہ افضل ہے۔

(۳) اس بارے میں واضح ہو کہ کسی کی قربانی کوئی دوسرا مسلمان (جو قربانی کے اصول وضوابط کو جانتے ہوں) ذبح کر دے تو قربانی ہو جائے گی، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ قربانی کے جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ بہتر وافضل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ضحى النبي صلى الله عليه وسلم بكبشين أملحين

فرأيته واضعا قدمه على صفاحهما يسمي ويكبر، فذبحهما بيده"(صحيح بخاری ،باب من ذبح الأضاحي بيده ،كتاب الأضاحي،حديث ر٥٥٥٨)یعنی آپ نے دو چتکبرے مینڈھوں کو قربان کیا، میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ اپنے پاؤں کو ان جانوروں کے اوپر رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ اکبر پڑھ کر اپنے ہاتھوں سے ان دونوں مینڈھوں کو ذبح کیا۔

اسی طرح مسلم شریف کے اندر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ ’’ثم انصرف إلى المنحر فنحر بيده ثلاثا وستين بدنة" (صحيح مسلم حديث،١٢١٨،كتاب الحج، باب حجة النبي ﷺ) یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قربان گاہ کی طرف گئے اور اپنے ہاتھ سے ترسٹھ۶۳ اونٹ کو نحر کیا۔

خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ’’أن رسول الله ﷺ انكفأ إلى كبشين أقرنين أملحين فذبحهما بيده" (البخاري، كتاب الأضاحي، باب أضحية النبي ﷺ بكبشين أقرنين، حديث ر ٥٥٥٤) یعنی دو چتکبرے سینگ والے مینڈے کی طرف آپ متوجہ ہوئے اور انھیں اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت ساری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں سے قربانی کا جانور ذبح کرتے تھے،اس لئے ہمیں بھی اپنے ہاتھ سے اپنی قربانی ذبح کرنی چاہئے۔

هذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆

کیلنڈر 2012 جامعہ سلفیہ بنارس

حسب سابق جامعہ سلفیہ کا کیلنڈر 2012 عمدہ طباعت اور بہترین ڈیزائن کے ساتھ چار کلر میں طبع ہوکر منظر عام پر آچکا ہے، خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ سے طلب کر سکتے ہیں۔

مکتبہ سلفیہ
جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس
Maktaba Salafiah, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi-221010 (U.P.)